قصیدہ بردہ کے اردو تراجم
تحقیق و تجزیہ

(بانت سعاد کے حوالے سے)

مؤلف

سعود عالم

قصیدۂ بردہ کے اردو تراجم

تحقیق و تجزیہ

(بانت سعاد کے حوالے سے)

مؤلف

سعود عالم

عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۹۵

إِنَّ الــرَّسـولَ لَسَيْفٌ يُسْتَـضَـاءُ بِـه
مُهَـنَّـد مِـنْ سُيُـوفِ الـلّٰـهِ مَسْلُوْلُ

ترجمہ: ''بلاشبہ رسول اللہ صلعم ایک شمشیر ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ شمشیر جو ہندی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی تلوار جو نیام سے نکلی ہوئی ہے۔''

انتساب

پروفیسر معین الدین جینا بڑے
کے نام
جن کی بے پناہ محبت اور دیرینہ خواہش کی بدولت
یہ کاز پایۂ تحقیق تک پہنچا، اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ عاطفت ہم پر تادیر قائم رکھے۔
(آمین)

کتاب کا نام : قصیدۂ بردہ کے اردو تراجم: تحقیق و تجزیہ
(بانت کے حوالے سے)
مؤلف : سعود عالم
سن طباعت 2013
مطبع روشن پرنٹرس، دہلی
قیمت 130/-
سرورق اظہار احمد ندیم

QASIDA-E-BURDA KE URDU TARAJIM
TAHQEEQ WA TAJZIA
(BANAT SUAAD KE HAWALE SE)

by
Saud Alam
email: saudalam1983@gmail.com

Year of Edition 2013

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob:9971775969, 9899706640 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

فہرست

مقدمہ

دنیا کی معلوم تاریخ میں جس شخصیت پر سب سے زیادہ تحقیقی کام ہوا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باکمال شخصیت ہے۔ آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے والے مصنفین کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ان میں مسلم اور غیر مسلم محققین دونوں ہی شامل ہیں۔ انہوں نے آپ کی زندگی کا مختلف پہلوؤں سے مطالعہ کیا۔ آپؐ سے وابستہ یادگاروں کا تحقیقی جائزہ لیا نیز آپ کی طرف منسوب جملہ واقعات کی چھان پھٹک کا بیڑا بھی اٹھایا۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے گیے ایک عربی قصیدہ موسوم بہ قصیدۂ بردہ کے اردو تراجم: تحقیق و تجزیہ (بانت سُعاد کے حوالے سے) ہے۔

جلیلؔ مانک پوری نے کہا تھا۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے
جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

یہ شعر قصیدۂ بانت سعاد پر صد فی صد منطبق ہوتا ہے۔ چنانچہ ادبی نقطۂ نظر سے اگر اس قصیدے کا جائزہ لیا جائے تو یہ اتنا عظیم نہیں کہ وہ اس ناموری کا بجا طور پر حقدار ہو سکے جس پر آج اسے تمکنت حاصل ہے، اسے آسمانِ شہرت پر پہنچانے والی چیز یہ ہے کہ رسول رحمتؐ نے اس قصیدے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اپنی ردائے رحمت قصیدے کے شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کو مرحمت فرمادی، جو اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی اہمیت کا باعث ہے۔ اسی چیز نے اس قصیدے کو آسمانِ رفعت پر پہنچایا اور اسے ہمدوش ثریا کیا۔

کتاب میں قصیدے کا مختلف حیثیتوں سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جانبی موضوعات سے گرچہ تعرض نہیں کیا گیا ہے تاہم اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عربی ادب کی تاریخ و پس منظر کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکا، چونکہ اس کتاب کا تعلق ترجمے سے ہے اس لئے

عربی سے اردو میں ترجمے کی روایت اور طریقۂ کار سے بھی بحث کرنا ضروری خیال کیا گیا۔ مطالعے کا پورا ارتکاز قصیدے کی حیثیت اور اس کے اردو تراجم کے تجزیے پر رکھا گیا۔

ان تراجم کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نثری ترجمہ تفہیم کی خوبی سے مالا مال ہوسکتا ہے بلکہ ہوتا بھی ہے، لیکن منظوم ترجمے کے ساتھ یہ بڑی مشکل چیز ہے کہ الفاظ کی رعایت بھی ہو اور اس کی غنائیت وموسیقیت پر بھی آنچ نہ آنے پائے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں منظوم ترجمے کے دو دو نمونے پیش کئے جائیں گے۔ ایک ترجمہ رئیس نعمانی صاحب کا ہے جو رباعی کی ہیئت میں ہے جب کہ دوسرا ترجمہ علامہ الٰہی بخش کاندھلویؒ کا ہے۔ رئیس نعمانی صاحب نے اس کا رباعی کی ہیئت میں ترجمہ کیا تاکہ شعر کی غنائیت، موسیقیت اور آہنگ برقرار رہے لیکن اطناب سے نہ بچ سکے اور الفاظ کی رعایت کی پابندی کا بھرم ٹوٹ کر رہ گیا، جہاں تک دوسرے ترجمے کی بات ہے تو اس میں الٰہی بخش کاندھلویؒ نے الفاظ کی رعایت کی پابندی کی، جس کی وجہ سے شعر کی جو اپنی موسیقیت اور غنائیت ہوتی ہے وہ جاتی رہی۔ دراصل ترجمے میں نقل معانی اور ترسیل مفہوم میں اچھی کامیابی ہی بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ غنائیت، موسیقیت اور آہنگ کا تعاقب مشکل ترین چیز ہے۔

ہماری انتہائی کوشش یہی رہی ہے کہ تحقیق کے سارے اصولوں کو بروئے کار لایا جائے، زبان وادب کے طالب ہونے کی حیثیت سے رواں اور سلیس اسلوب کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تجزیہ اور تبصرہ کے دوران اپنی رائے پیش کرنے میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی ہے۔ اسے کسی پر تھوپنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت اور مواد کی فراہمی میں جن لوگوں نے میری مدد کی ان میں سب سے پہلا نام استاذی امین الدین شجاع الدین مرحوم کا ہے جن کا میں تہ دِل سے ممنون ہوں انہوں نے مجھے رئیس نعمانی کا قصیدہ جو اُن کے شعری مجموعہ ''چراغِ نوا'' میں شامل تھا، دستیاب کرایا۔ مرحوم حال میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ ''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے''۔ آمین!

میں برادرم محمد رضا علی کا مشکور ہوں جنہوں نے عبداللہ عباس ندوی کی کتاب

''ردائے رحمت'' دستیاب کرانے میں میری مدد فرمائی۔

استادِ محترم پروفیسر معین الدین جینا بڑے، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی جو نہ صرف میرے ایم۔فل کے نگراں رہے ہیں بلکہ میرے مشفق بھی ہیں اور میرے لئے مشعل راہ بھی۔استادِ محترم کا شروع سے آخر تک رہنمائی شامل ہے۔

بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں برادرم عطاء اللہ سنابلی کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے پروف ریڈنگ سے لے کر نظر ثانی تک ہر طرح سے میری مدد کی۔ساتھ ہی برادرم اقبال ضیاء، عزیزی سید احمد، اور اُن تمام دوستوں کا بھی ممنون ہوں جن کا ہر طرح سے تعاون رہا ہے۔

آخر میں اپنے والدین اور بڑے بھائی ارشد ایوب کا شکر گزار ہوں جن کی بے پناہ محبت اور دعاؤں کے اثر نے مجھ کم تر سے یہ ادنیٰ سا کام لیا۔اگر اُن کی دعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں تو یہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچتا۔

سعود عالم

دہلی یونیورسٹی دہلی

عربی ادب تاریخ و پس منظر

عربی ادب کا تاریخی پس منظر بہت دور تلک جاتا ہے، اس کی کڑیاں آدم ثانی نوح کی اولاد سام سے ملتی ہیں، اسی لئے اس زبان کو بنی سام کی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نسل ہے جو جزیرہ عرب کے مختلف گوشوں میں پھلی پھولی ہے۔

عربی ادب کی قدیم وجدید تاریخ میں ہم آہنگی پیدا کرنے نیز اس کی تاریخی روایت کو سمجھنے کے لئے عربی ادب کے ان ادوار کا مطالعہ نہایت ہی ضروری ہے جن میں ناقدین ادب اور مؤرخین نے اس زبان وادب کی تاریخ کو تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں عربی ادب کے ان ادوار کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

عربی ادب کے ادوار

مؤرخین نے عربی ادب کے ادوار کو ذیل کے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

جاہلی دور

اس دور کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جہاں سے زمانۂ جاہلیت کی شاعری کا اولین شعر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ مہلہل بن ربیعہ اور امرؤالقیس کا زمانہ ہے جس کی ابتداء ظہور اسلام سے ایک سو پچاس سال پہلے ہوئی ہے اور انتہا اسلام کے ظہور اور عربی ادب پر اسلامی اثرات کے ساتھ ہوئی ہے۔

اسلامی دور

یہ دور عربی ادب پر اسلام کے اثرات نمایاں ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور خلفائے راشدین کی خلافت کے خاتمے کے ساتھ اس عہد کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جس کی تحدید ۴۱ ہجری ہے۔ اس عہد کے عربی ادب کے جملہ گوشوں اور اصناف پر اسلامی رجحانات کا غلبہ پایا جاتا ہے۔

اموی دور

اس عہد کا آغاز ۴۱ھ سے ہوتا ہے۔ اس دوران زمام خلافت بنوامیہ کے ہاتھوں

نیں تھی۔ ۱۳۲ھ میں اس خلافت کے خاتمے کے ساتھ عربی ادب کے اس عہد کا بھی قصہ تمام ہوتا ہے۔ اس دور کے ادب میں سیاسی رجحانات کی بکثرت نمائندگی ملتی ہے، نیز قبائلی عصبیت اور اجداد پرستی کی جس لعنت کا اسلامی دور میں خاتمہ کر دیا گیا تھا وہ عصبیت اس عہد کے شعر و نثر میں کسی قدر لوٹ آئی ہے۔

عباسی دور

اس دور کو اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں سنہرے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں زبان وادب کی خوب ترقی ہوئی اور مختلف قسم کے علوم وفنون ظہور پذیر ہوئے۔ اس عہد کا آغاز ۱۳۲ھ میں بنوعباسیہ کے زمام اقتدار سنبھالنے سے ہوتا ہے اور ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے ہاتھوں سقوط بغداد کے سانحے کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس دور کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک

(۲) ۲۳۲ھ سے ۴۴۷ھ تک

(۳) ۴۴۷ھ سے ۶۵۶ھ تک

پہلے مرحلے میں عربی ادب میں مختلف قسم کے فنون واصناف کا اضافہ ہوا۔ دوسرے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے ان میں پختگی پیدا ہوئی اور تیسرا مرحلہ ان کے زوال سے عبارت ہے۔ اس زوال میں سیاسی انتشار اور بیرونی حملوں بالخصوص منگولوں کی تباہ کاریوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

طوائف الملوکی کا دور

جب بغداد پر تاتاریوں کا تسلط ہو جاتا ہے مرکز خلافت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی ہے تو طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے، جس میں تاتاری دادِ حکومت دیتے ہیں تو کہیں عثمانی ترکوں کی کشور کشائی و جہانبانی دکھائی دیتی ہے اور مملوکوں اور سلجوقیوں کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار نظر آتی ہے.........اس طوائف الملوکی اور انتشار میں عربی ادب اور ادبی فن پارے گم ہو کر رہ جاتے ہیں........یہی احوال اور یہی ایام اس دور کا تعین وتحدید

کرتے ہیں۔ اس دور کا خاتمہ اسی وقت ہوتا ہے جب عربی ادب پر مغربی تہذیب وثقافت کے اثرات نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس عہد کو عربی ادب کی تاریخ میں جمود اور رکاکت کا دور کہا جاتا ہے اور سیاسی سطح پر بعض مستشرقین بالخصوص ''لوماس'' نے اسے عہد اسلامی کی ''شب تاریک'' سے موسوم کیا ہے۔ (1)

دور جدید

اس دور کا آغاز تیرہویں صدی ہجری کے اوائل سے ہوتا ہے جب عربی ممالک میں اصلاحی تحریکیں اٹھنے لگیں۔ ان تحریکوں میں محمد عبدالوہاب، جمال الدین افغانی اور سنوسی کی تحریکیں بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ یہ دور آج تک قائم ہے اس میں عربی زبان وادب کو اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے عالمی شہرت اور ہمہ گیر ترقی ملی۔ نپولین بوناپارٹ کے مصر پر ۱۷۹۸ء حملہ کے بعد پیدا ہونے والے نشأۃ ثانیہ کی وجہ سے عربی زبان وادب میں زبردست تبدیلی اور انقلاب آیا۔ مصر، لبنان، شام اور عراق کے مختلف ارباب علم وفن فرانس، امریکہ، اسپین، جرمنی وغیرہ میں پھیل گئے۔ انہوں نے مغربی ادب کا بغور مطالعہ کیا۔ اس عہد میں رومانیت، حقیقت نگاری، علامت نگاری، تجریدیت، جدیدیت، رمزیت جیسے مختلف ادبی رجحانات نے عربی ادب میں جگہ پائی۔ (2)

یہ ان ادوار کا اجمالی ذکر ہے جن سے گزر کر عربی ادب اپنی موجودہ شکل میں ہے۔ یہ عربی ادب کی خصوصیت بلکہ اس کا معجزہ ہے کہ مرورِ ایام اور گردشِ زمانہ اسے مٹا سکا نہ ہی قدیم اور ابتدائی زبان وادب پر تحریف وتجہیل کی چادر چڑھائی جا سکی۔ اس کی فصاحت وبلاغت انہیں تراکیب اور کلمات کے ساتھ آج بھی مسلم ہے جنہیں جاہلی دور میں فصاحت وبلاغت ہونے کا رمز شناس کہا گیا تھا۔ آج بھی ان اشعار اور نثری فن پاروں کو ادب میں وہی مقام ہے جو زمانۂ قدیم میں صدیوں پیشتر تھا۔ اس کی عظمت آج بھی اسی طرح تابندہ وپائندہ ہے جیسے ماضی کے ادوار میں تھی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ ادب کے مقاصد واغراض میں وسعت پیدا ہوئی۔ اسلوب بیان میں تبدیلی آئی لیکن اس نے ماضی کی خوبیوں پر کوئی پردہ نہیں ڈالا بلکہ قدیم وراثت اور پرانی روایت میں بیش قیمت اضافے کا سبب بنی اور یہ سب

تبدیلیاں اور خصوصیات مذکورہ بالا ادوار ہی میں حاصل ہوئی۔

عربوں کا تصور شعر

مؤرخین کا کہنا ہے کہ شعر گوئی میں عربوں کا کوئی ہم پلہ نہیں اسے اَشْعَرُ الأُمَم یعنی سب سے زیادہ شعر کہنے والی قوم کہا گیا ہے۔ یہ اشعار اپنے آپ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ دراصل شعر ان کے جذبات، کارناموں، مفاخر و مآثر ان کی خوبیوں اور عادات و اطوار کا بھرپور ترجمان رہا۔ شعر کے جھرونکوں سے عربوں کی نفسیات ہویدا ہوتی ہے. ان کی شعری دواوین اور مجموعوں میں ان کی بہادری، عظمت، جنگ و جدل، کرم و وفاء، جود و سخاء اور ان کے علوم و فنون قلم بند کئے گئے ہیں۔ اسی لئے مؤرخین ادب نے شعر کو "عربوں کا دیوان" کہا ہے، جیسا کہ ابو ہلال عسکری رقمطراز ہیں۔

وَلَا تُعْرَفُ أَنْسَابُ الْعَرَبِ،
وَتَوَارِيخُهَا وأَيَّامُها وَ وَقَائِعُهَا الاّ مِنْ
جُمْلَةِ أَشْعَارِهَا، فَالشِّعْرُ دِيْوانُ
الْعَرَبِ، وَخِزَّانَةُ حِكْمَتِهَا، وَمُسْتَنْبِطُ
آدَابِهَا، وَمُسْتَوْدِعُ عُلُومِهَا.......(3)

یعنی "عربوں کے نام و نسب، ان کی تاریخ، جنگی واقعات صرف ان کے اشعار ہی کی بدولت جانے جاتے ہیں، گویا شعر عربوں کا دیوان، ان کی حکمتوں کا خزانہ، ان کے آداب کا مصدر اور ان کے علوم کا مرجع ہے۔"

دنیا کی ہر ایک قوم اپنے کارناموں اور اپنی تاریخ کو زندہ و جاوید بنانے کی کوشش کرتی ہے، اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتی ہے اور عربوں نے شعر کے سہارے اپنی تاریخ کو زندہ و جاوید بنانے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ مؤرخین رقمطراز ہیں:

قَالَ ابْنُ الْهَيْثَمِ، ابْنُ الْكَلْبِي
وَأَبُو عُبَيْدَةَ: فَكُلُّ أُمَّةٍ تَعْتَمِدُ فِي

اِسْتِيْفَاءِ مَأثِرِهَا، وَتَحْصِيْنُ مَنَاقِبِهَا، عَلىٰ ضَرْبٍ مِنَ الضُّرُوبِ، شَكْلٌ مِنَ الْاَشْكَالِ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ فِی جَاهِلِيَّتِهَا تَحْتَالُ فِی تَخْلِيْدِهَا بِأنْ تَعْتَمِدُ ذَالِکَ عَلىٰ الشِّعْرِ الْمَوْزُوْنِ وَالْكَلَامِ الْمُقَفّىٰ، وَكَانَ ذَالِکَ هُوَ دِيْوَانِهَا......(4)

ابن الہیثم ، ابن کلبی اور ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر قوم اپنے کارناموں کو باقی رکھنے اور اپنی خوبیوں کو قائم رکھنے کی کسی نہ کسی شکل میں کوشش کرتی ہے اور زمانۂ جاہلیت میں عربوں نے اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے شعر موزون اور مسجع و مقفیٰ کلام کا سہارا لیا، چنانچہ شعر ہی ان کا دیوان حیات بن گیا۔

عربوں کی شاعری میں ان کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، حضری و بدوی تہذیب، ان کا طرز بود و باش، رہن سہن ان کی نفسیات، ان کے اخلاق واقدار......سب کچھ پاتے ہیں۔ شعر ہی کی بدولت عربوں کی قدیم تاریخ تک ہماری رسائی و رہنمائی ممکن ہے، اگر یہ اشعار نہ ہوتے تو عربوں کا ماضی نسیان کی نذر ہو چکا ہوتا، عرب قوم کی تاریخ کا وہ حصہ جو دراصل اسلام کے تاریخی پس منظر کو واضح کرتا ہے اب تک معدوم ہو چکی ہوتی اور اسلامی تاریخ کے بھی کچھ پہلو واضح نہ ہو پاتے......اسی لئے شعر جاہلی کو نہایت ہی اونچا مقام حاصل ہے۔ شعر کے ساتھ ساتھ شعراء کو بھی زمانۂ جاہلیت میں بلند مقام حاصل تھا۔ ان کو قبیلے کا ترجمان اس کا محافظ، اس کی فضیلتوں کا پاسبان، اس کے بہادروں کے کارناموں کو دوام عطا کرنے والا اور ان کی عظمت وسطوت کا دبدبہ قائم کرنے والا سپاہی کہا جاتا تھا۔ اسی لئے عربوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف تین موقعوں پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ ایک جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا، دوم جب کسی قبیلے میں کوئی شاعر ابھرتا تھا، سوم جب کوئی قبیلہ کسی شہسوار کو جنم دیتا تھا۔ جیسا کہ ابن رشیق القیروانی رقمطراز ہیں:

وَكَانُوا لاَ يُهَنِّئُونَ الاَّ بِغُلاَمٍ يُولَدُ أَوْ
شَاعِرٌ يَنْبَغُ أَوْ فَرسٌ تَنْتَجُ (5)

''کہ وہ صرف بچے کی ولادت، شاعر کی نبوغت اور گھوڑ سوار کے پیدا ہونے پر ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔''

شعر جاہلی کے مختلف اصناف اور ان کی خصوصیات

دنیا کی معلوم تاریخ میں شعر کی تین قسمیں زیادہ پروان چڑھی، ملحمی (Eptique) تمثیلی (Daramatic) اور غنائی (Lyrique) اول الذکر دونوں اقسام عربوں کے یہاں شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں، جہاں تک تیسری قسم یعنی شعر غنائی کی بات ہے تو اس شعر کا وجود عربوں کے یہاں زمانۂ جاہلیت ہی سے تھا۔ عربوں کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے زیادہ تر اشعار اسی قبیل کے ہیں۔ شعر غنائی ان قصیدوں کو کہتے ہیں جو متوسط الطّول قصائد پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ عام طور سے گائے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس قسم کو جاہلی دور میں پھلنے پھولنے اور رواج پانے کا کافی موقع ملا۔ غنائی شعر میں عرب شعراء کا رول سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ دراصل عربی شاعری کا آغاز اونٹوں کی چال سے پیدا ہونے والی آواز اور لے سے ہوا ہے۔ اس لئے غنائیت ان کی قصیدوں اور غزلوں میں بکثرت نظر آتی ہے۔

غنائی شعر مختلف مقاصد اور اغراض کے تحت کہے جاتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ حماسہ

۲۔ مدح

۳۔ مرثیہ

۴۔ وصف

۵۔ غزل (نسیب وتشبیب)

۶۔ فخر

۷۔ ہجو

۸۔

مذکورہ بالا مقاصد کے لئے زمانہ جاہلیت میں شعر غنائی کا استعمال ہوا چنانچہ انہوں نے بہادری کی تعریف میں شعر کہے تو بہادری کی تاریخ رقم کردی۔ مدح سرائی پر اترے تو تشبیہات وکنایات، بلاغت ومعانی اور بیان کی مدد سے تعریف وستائش کی مثال قائم کردی۔ مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تو شام رنگین اور زندگی کی بہاروں میں حزن وملال اور الم کی داستانیں بکھیر دیں، کسی کے ہجو پر اتر آئے تو مخالف کو سراپا شر بنادیا۔ وصف وتوصیف کی طرف متوجہ ہوئے تو بہاروں، صحراؤں، ریگستانوں، کوہساروں، نخلستانوں، راتوں، کھنڈرات، برساتوں، خشک سالیوں، گھوڑوں، اونٹوں، حسیناؤں، دوشیزاؤں اور اپنے آثار میں وصف بیانی کا وہ جادو جگایا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

ان کے بہادری اور حماسہ کے اشعار اپنی مثال آپ ہیں، عمرو بن کلثوم اور عنترہ بن شداد کے قصیدوں میں عربوں کی شب وروز کی زندگی میں بہادری کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عمرو بن کلثوم کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

إذا بَلَغَ الفِطَامَ لَنَا صَبِيٌّ
تَخِرُّ لَهُ الْجَبَابِرَةُ سَاجِدِيْنَا (6)

(ترجمہ) ''کہ ہمارے قبیلے کا بچہ بھی جب مدت رضاعت کو پورا کرلیتا ہے تو بڑے بڑے جبابرہ اور طرّے والے بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں''۔

اگر مدح کی بات کی جائے تو شاعر تعریف وستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتا نظر آتا ہے، لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جاہلی دور کا عرب شاعر جھوٹی تعریفیں بہت ہی کم کرتا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس عہد کا شاعر طفیلی نہیں ہوا کرتا تھا۔

مرثیہ گوئی میں عرب کی شاعرہ خنساء کا کون ہم پلہ ہوسکتا ہے۔ دنیا کی معلوم تاریخ میں خنساء کا کوئی ثانی نہیں مل سکتا۔ خنساء کی مرثیہ گوئی میں حزن ویاس بھی ہے الم بھی، خاندانی شرافت اور کارناموں پر فخر بھی ہے اور صبر وشکیبائی کی تلقین بھی ملتی ہے۔ علاوہ ازیں متمم بن

نویرہ، ابن الرومی اور ابوالحسن التہامی بھی مرثیہ کے عظیم شاعر گزرے ہیں۔

جہاں تک ہجو کا تعلق ہے تو عربی میں اس کی اہمیت بھی دوسری اصناف سے کم نہیں، دراصل عربوں میں شاعر کی اہمیت ہجو کی وجہ سے بھی جانی جاتی تھی، چنانچہ جب کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو ہجو کے ذریعہ وہ اس کی خبر لیتے تھے۔ایک شاعر کے بارے میں یہ ذکر آتا ہے کہ کسی سردار نے اس کے ریوڑ کے کچھ جانور ہانک لئے، جب سردار کو پتہ چلا کہ وہ ایک شاعر کے جانور ہیں تو انہیں واپس بھیج دیا کہ مبادا کہیں اس کی ہجو نہ کہہ دے۔

اگر وصف اور توصیف کی بات کریں تو عرب شعراء اس کے امام نظر آتے ہیں جب جاہلی شعر میں وصف کا تتبع اور استقراء کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وصف گوئی شعراء کی طبیعت اور شرست میں داخل تھی، وہ اپنے ماحول کی وصف گوئی کرنے کے ساتھ ساتھ چرند پرند کی بھی وصف بیان کرتا ہے دوشیزاؤں اور اپنے محبوب کے سراپا کو بیان کرنے میں ید طولی رکھتا ہے۔ طول شبِ ہجراں کو بیان کرتے ہوئے مشہور جاہلی شاعر امرؤالقیس یوں سخن نواز ہے۔ ؎

وَلَيْلٍ كَمَوجِ الْبَحْرِ أَرْخَىٰ سُدُولَهُ
عَلَيَّ بِأَنْوَاعِ الْهُمُومِ لِيَبْتَلِي (7)

(ترجمہ) ''سمندر کی موجوں کی مانند یہ راتیں رنج والم کے جملہ انواع کے ساتھ ہم پر اپنی بانہیں پھیلا چکی ہیں اور یوں ہماری آزمائش ہو رہی ہے''۔

فارسی اور اردو کی طرح غزل عربی ادب میں علیحدہ صنفی حیثیت نہیں رکھتی تاہم قصیدہ کی تشبیب کو عربی میں غزل کہا جاتا رہا ہے۔تشبیب عرب شعراء کا خاص مقصد رہا ہے۔یہاں تک کہ دنیا کی دیگر زبانیں بھی غزل گوئی کی اس قدیم عربی روایت سے متاثر ہوئی بالخصوص اردو اور فارسی غزل پر عربی غزل کی چھاپ نظر آتی ہے۔غزل کے اشعار اپنی عفت کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں۔ بعد کے زمانے میں بالخصوص عہد عباسی میں رواج پانے والی شاعری کے بالمقابل اس (جاہلی دور) کی شاعری میں یہ خوبی زیادہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ''غزل عفیف'' اسی عہد کی پیداوار ہے۔

نثر جاہلی کے مختلف اصناف اوران کی خصوصیات

جاہلی دور میں نثر کی اہمیت شعر سے کم رہی، لیکن نثر بے وقعت نہیں تھی۔ عربی زبان کی بلاغت وفصاحت اور قواعد میں جاہلی دور کے نثری کلام مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور کی نثر پر مسجع ومقفیٰ عبارتوں کا بھرپور غلبہ ہے۔ کلاسیکل نثر کی ابتداء بھی دراصل یہیں سے ہوتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت یا جاہلی دور میں جن نثری فنون کو نثر کا رواج ملا ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ خطابت

۲۔ ضرب الامثال

۳۔ حکمتیں/ اقوال زریں

۴۔ وصیت نامے

۵۔ کہانیاں

۶۔

اس دور میں خطابت کو سب سے زیادہ رواج ملا، مختلف مناسبات اور موقعوں پر خطبے دئے جاتے تھے۔ خطبہ وہی دیتا تھا جس کو زبان وبیان پر خوب دسترس حاصل ہوتی تھی۔ وہ فصاحت کو خطابت کا رکن اور بلاغت کو اس کی دانش قرار دیتے تھے۔ خطابت کو سیاسی مقاصد کے علاوہ سماجی اور تفریحی مقاصد کے لئے بھی بروئے کار لایا جاتا۔ بہت سارے اہل زبان بادشاہوں، سرداروں اور امراء وسلاطین کے دربار میں بھی جاتے تھے اور خطابت کے زور سے اپنی قوم اور قبیلے کی نمائندگی کرتے تھے۔

جہاں تک ضرب الامثال کی بات ہے مثال دینا، مثال پیش کرنا عربوں کے یہاں کافی مقبول رہا ہے۔ ضرب الامثال کی روایت عربوں کے یہاں زمانۂ قدیم ہی سے پائی جاتی تھی۔ ان کے اشعار میں اور خطبوں میں امثال کا بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ عام طور سے اس

دور کے زیادہ تر ضرب الامثال کسی نہ کسی پس منظر میں کہے گئے ہیں۔ ''جمہرۃ الامثال'' نامی مشہور اور ضخیم کتاب اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

اس عہد کے نثری فنون میں ایک فن ''حکمت'' بھی ہے۔ کم الفاظ میں معانی ومطالب کے دریا بہا دینا اس صنف کی اہم خصوصیت ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اختصار عربوں کی شرست میں داخل تھا۔ وہ ایجاز واختصار کے قائل تھے۔ بالخصوص بدوی لوگ نہایت ہی مختصر الفاظ میں اپنی باتیں رکھنے کے قائل تھے۔ (8) اسی چیز نے حکمت کی بنیاد ڈالی۔ حکمت کی باتیں نثر نگاروں کے خطبوں سے لے کر شاعروں کے قصیدوں تک میں بکھری ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے جاہلیت کے مشہور خطیب قیس بن ساعدہ ایادی کو حکم العرب کہا گیا تو زہیر بن ابی سلمٰی نامی مشہور شاعر کو شاعر حکمت کہا گیا ہے۔

عربوں کے یہاں ''وصیت نامے'' کا بھی زمانہ قدیم سے رواج رہا ہے۔ وصیت ناموں میں نہایت ہی بلیغ کلام اور مؤثر جملوں کا استعمال ہوتا تھا۔ مسجع ومقفیٰ عبارتیں اس کی اہم خصوصیت ہیں۔

جہاں تک کہانیوں کی بات ہے یہ بدوی تہذیب کی پرانی روایت کے حوالے سے کافی معروف ہیں۔ عرب کے لوگ بالخصوص بدوی تہذیب کے باشندے اکثر راتوں میں قصہ گوئی کرتے تھے۔ اس عہد کی کہانیوں میں مسجع ومقفیٰ عبارت کے سہارے تفریح طبع کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ یہ کہانیاں تسلی دینے، دل کو راحت وفرحت بخشنے، دن بھر کی تھکان کو دور کرنے اور ذہن کو آرام پہنچانے کا کام کرتی تھیں۔

حواشی

(۱) ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد الفیصل	:	الأدب العربی وتاریخہ (عربی) ص ۳۴-۳۶
(۲) یحیٰ جبوری	:	الاسلام والشعر، ط۴ امطبعہ الارشاد، بغداد ۱۹۲۶ء
(۳) ابوہلال عسکری	:	الضاعتین، ص ۱۰۴، ط، مصر ۱۳۲۰ھ
(۴) ابوعمرو عثمان جاحظ	:	کتاب الحیوان، ۱/ ۳۶
(۵) ابن رشیق قیروانی	:	العمدہ، ۱/ ۳۷
(۶) ابن رشیق قیروانی	:	المعلقات السبع
(۷) ابن رشیق قیروانی	:	المعلقات السبع
(۸) ڈاکٹر علی جندی	:	فی تاریخ الأدب الجاہلی، ص ۴۴۹

عربی سے اردو میں ترجمہ کی روایت

آج کی دنیا میں زبانوں کی مقبولیت، پھیلاؤ اور اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک ان کے مفید ہونے پر ہے اور افادیت کا پیمانہ یہ ہے کہ کوئی زبان اپنے زمانے کے علمی سرمایے اور ادبی ذخیرے کو کس حد تک اپنے پڑھنے والوں تک پہنچانے کی اہل ہے۔ ''اردو زبان کی خوش بختی ہے کہ اس نے ترجموں کی روایت کو ابتدا ہی سے اپنایا، اپنے دریچے باہر سے آنے والی ہواؤں کے لئے کھولے اور بین الاقوامی کلچر کے نقوش سے اپنی محفل کو آباد کیا۔''

جہاں تک اردو زبان میں ترجمہ کے آغاز و ارتقاء کا تعلق ہے اس کے بارے میں ماہرین کے مطابق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے لیکن عام طور پر یہی تصور کیا جاتا ہے کہ اردو میں سب سے پہلی ترجمہ شدہ کتاب ملا وجہی کی ''سب رس'' تھی جو ۱۶۳۵ء میں منصۂ شہود پر آئی گویا اردو میں نثری تراجم کا آغاز ۱۶۳۵ء سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو ترجمے شمالی ہند میں ہوئے وہ زیادہ تر تصوف سے متعلق تھے، میراں یعقوب نے ''شمائل الاتقیا'' کا اردو ترجمہ ۱۶۷۳ء میں کیا تھا۔

شمالی ہند میں ترجمے کا دوسرا کام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں کیا۔ یہ ''قرآن مجید'' کا لفظی ترجمہ تھا۔ قدرے وضاحت اور اختصار کے ساتھ ۱۷۹۰ء میں شاہ عبدالقادرؒ نے ''قرآن حکیم'' کا دوسرا اردو ترجمہ پیش کیا۔ شاہ ولی اللہ قادری نے ۱۷۴۰ء میں شیخ محمود کی ایک فارسی تصنیف ''معرفت السلوک'' کا اردو ترجمہ کیا۔ اسی دور میں سید محمد فاروق کے ''طوطی نامہ'' کا اردو ترجمہ ہوا اور ملاّ حسین واعظ کاشفی کی ''روضۃ الشہداء'' کا اردو ترجمہ ۱۷۳۱ء میں فضلی نے ''دہ مجلس'' یا ''کربل کتھا'' کے نام سے کیا۔ ۱۷۹۸ء میں فارسی کے ''قصہ چہار درویش'' کا ترجمہ میر عطا حسین تحسین نے ''نوطرز مرصع'' کے نام سے کیا۔

۱۸ویں صدی عیسوی میں عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی سے تراجم کا آغاز مذہبی کتابوں مثلاً بائبل کے ترجمے سے ہوا، یہ ترجمہ بنجمن شلز نے ۱۷۴۸ء میں کیا تھا۔

اردو زبان میں ترجمہ کی روایت کو آگے بڑھانے میں دو سطحوں پر قابل قدر کوشش ہوئی ہے ایک طرف ترجمہ نگاری کی خدمت انجام دینے میں مختلف ادارے پیش پیش رہے ہیں، وہیں دوسری جانب انفرادی سطح پر بھی لائق تحسین کاوشیں ہوئیں، جس نے اردو زبان وادب کے سرمایے میں بیش قیمت اضافے کیے۔ افراد میں نواب، شمس الامراء اور شاہ اودھ کا نام لیا جاتا ہے جبکہ اداروں میں فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور دارالترجمہ عثمانیہ وغیرہ اہم ہیں۔ ان کے توسط سے جو ترجمے ہوئے اسے تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- قانون سے متعلق کتابوں کا ترجمہ
- سائنسی وعلمی کتابوں کا ترجمہ
- ادبی کتابوں کا ترجمہ

انفرادی سطح پر نواب شمس الامراء نے انگریز مصنف ''ریوانڈ چارلس'' کے چند منتخب رسالوں کا ترجمہ کروایا جو سوال وجواب کے پیرائے میں پیش کیا گیا۔ ترجمے کی زبان صاف اور سلیس تھی، اس میں جو اصطلاحات استعمال ہوئیں وہ عربی اور فارسی کی تھیں۔

اردو میں ترجمے کا آغاز بلاشبہ دکن میں ہوا، لیکن اس کے فروغ میں شمال ہند کا اہم حصہ رہا ہے۔ ذیل میں مختلف اداروں کے حوالے سے فن ترجمہ نگاروں کی روایت کا عہد بعہد جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

مدرسہ غازی الدین حیدر

اس کی بنیاد ۱۷۹۲ء میں ڈالی گئی تھی، اردو زبان میں ترجمہ کی خدمت انجام دینے میں جو ادارے پیش پیش رہے ہیں ان میں سب سے پہلے مدرسہ غازی الدین حیدر کا نام لیا جائے گا جسے بعد میں اورینٹل کالج کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔

اردو میں باقاعدہ ترجموں کا آغاز فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ۱۹ویں صدی کے آغاز سے ہوا، جہاں ترجموں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے۔ ان میں ادبی، علمی اور مذہبی کتابیں موجود ہیں، جو زیادہ تر عربی، فارسی اور سنسکرت سے کی گئیں۔

۱۸۲۵ء میں تراجم کا تیسرا دور دہلی کالج میں شروع ہوا، اس میں علمی اور سائنسی کتابوں کے ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس دور میں دہلی کالج سے باہر بھی لوگوں نے علمی اور سائنسی کتابوں کے ترجمے کیے۔ مثلاً ۱۸۵۳ء میں جان پارکس لیڈی نے کتاب ''Economics'' کا ترجمہ ''رسالہ علم المعیشت'' کے نام سے کیا۔ اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادبی اور علمی موضوعات کے علاوہ سائنسی اور علمی تراجم کا رجحان زیادہ رہا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جو تراجم ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں ڈپٹی نذیر احمد کے دو تراجم بہت اہم ہیں۔ پہلا ترجمہ ''قرآن مجید'' کا ہے جو دہلی کی خالص اور ٹھیٹھ بامحاورہ زبان میں کیا گیا۔ دوسرا ''تعزیرات ہند'' کا ترجمہ جس میں انہوں نے کئی قانونی اصطلاحات بھی وضع کیں، ان کی بنائی ہوئی قانونی اصطلاحات آج بھی ہمارے یہاں رائج ہیں۔ مثلاً سِوِل (Civil) کے لئے 'دیوانی' اور کریمنل (Criminal) کے لئے 'فوجداری' وغیرہ کے الفاظ ڈپٹی نذیر احمد نے دیے ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جو ترجمے ہوئے۔ ان میں سید علی بلگرامی کی ''تمدن ہند'' اور ''تمدن عرب'' علمی تراجم کی اہم اور خوبصورت مثالیں ہیں۔ یہ تراجم فرانسیسی زبان سے اردو میں کیے گئے۔ ان کے علاوہ مولوی سعید احمد دہلوی کی کتابیں اور مولانا ظفر علی خاں کے تراجم بھی قابل ذکر ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں نے ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب ''معرکۂ مذہب وسائنس'' کا اردو ترجمہ پیش کیا جسے ہم اردو میں متناسب اور خوبصورت ترجمے کی ایک اہم مثال سمجھتے ہیں۔

دارالترجمہ عثمانیہ

دارالترجمہ عثمانیہ ۱۹۱۷ء میں نظام حیدرآباد عثمان علی خاں کے نام پر قائم ہوا۔ اس ادارے کا سب سے اہم کارنامہ اصطلاحات وضع کرنے کا اصول مرتب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں وحید الدین سلیم پانی پتی کا نام بطور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی کتاب ''وضع

اصطلاحات'' ترجمہ نگاری کے اعتبار سے ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس ادارے نے بڑی تیزی سے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے کا کام شروع کیا۔ محض تیس سال کی قلیل مدت میں اعلیٰ تعلیم اردو زبان میں دینے کی صلاحیت اس یونیورسٹی نے حاصل کرلی۔ یہاں تقریباً ۴۰۰ کتابوں کا سلیس اردو میں ترجمہ ہوا۔ اس ادارے سے منسلک مترجمین میں ڈاکٹر عبدالحق، نظم طباطبائی، جوش ملیح آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ترجمے کے میدان میں اخبارات ورسائل نے جو انبار لگادیئے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آزاد ترجمے اور اخذ واستفادہ پر زیادہ زور دیا گیا۔ ادبی تراجم بھی اس دوران ہوئے ہیں لیکن علمی تراجم کی وہ رفتار قائم نہیں رہی جو حیدرآباد دکن کا طرۂ امتیاز ہے۔

جہاں تک قرآن مجید کے ترجموں کا تعلق ہے شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے بعد قابل قدر ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا لیکن اس میں بھی سلاست وقطعیت کی کمی ہے۔ اس لحاظ سے اردو میں قرآن مجید کا خوبصورت ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ''تفسیر ماجدی'' ہے۔ اس میں روانی پائی جاتی ہے لیکن جدید دور میں سادہ اور عام فہم ترجمہ مولانا مودودیؒ کا ''تفہیم القرآن'' ہے جو بامحاورہ ترجمے کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہے اور ادبی ترجمہ کے اصولوں پر بھی پورا اترتا ہے۔

اس گفتگو سے اردو میں ترجمے کی روایت کا عام خاکہ سامنے آجاتا ہے۔ اب عربی سے اردو میں ترجمے کی روایت کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ

۱۔ غایۃ الاوطار ۲۔ تاریخ فقہ اسلامی ۳۔ زہرہ ریاض الابرار ۴۔ فتاویٰ عزیزیہ ۵۔ فتاویٰ نذیریہ ۶۔ فتاویٰ عالمگیری ۷۔ عین الھدایہ۔ ۸۔ النظم الاسلامیہ ۹۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ ۱۰۔ تاریخ التشریع الاسلامی ۱۱۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ۱۲۔ طبقات الامم ۱۳۔ حکومت الہیہ (علامہ حمید الدین فراہی) ۱۴۔ حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط ۱۵۔ حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط ۱۶۔ اثبات النبوۃ ۱۷۔ الموافقہ بین اہل البیت والصحابہ (علامہ زمخشری)

۱۸۔غزوات حیدری ۱۹۔لسان المتقین ۲۰۔جامع جعفری ۲۱۔رشید المؤمنین ۲۲۔سراج السالکین ۲۳۔سیرۃ النبی کامل (مترجم عبدالجلیل صدیقی) ۲۴۔سیرت ابن ہشام (مترجم غلام رسول مہر) ۲۵۔منہاج النبوۃ ۲۶۔حیاۃ الصحابہؓ (تین جلدوں میں) ۲۷۔بلوغ المرام ۲۸۔اسوۂ حسنہ ۲۹۔حضرت عثمان کے سرکاری خطوط ۳۰۔بلاغ المبین ۳۱۔حضرت عثمان (ڈاکٹر طہ حسین) ۳۲۔حضرت علیؓ (ڈاکٹر طہ حسین) ۳۳۔ابوبکرؓ (محمد حسین ہیکل) ۳۴۔عمر فاروقؓ (محمد حسین ہیکل)

تصوف

۱۔روضۃ الاصفیاء ۲۔تذکرۃ الاولیاء ۳۔روضۃ الاولیاء ۴۔کشف المحجوب ۵۔خیر المجالس ۶۔تاریخ تصوف اسلام ۷۔غنیۃ الطالبین ۸۔فتوح الغیب ۹۔وحدت الوجود

دیگر مطبوعات

اذکار مسنونہ (حافظ ابن قیم) ۲۔اعتدال کی راہ (حافظ ابن قیم) ۳۔تاریخ الفخری (الفخری کا اردو ترجمہ) ۴۔حجۃ اللہ البالغہ ۵۔ازالۃ الخفاء ۶۔اسلامی نظام معیشت ۷۔اسلام میں عدل اجتماع (سید قطب) ۸۔اسلام کا روشن مستقبل (سید قطب) ۹۔اسلام ایک ضرورت (سید قطب) ۱۰۔نقوش راہ (سید قطب) یہ ''معالم فی الطریق'' کا ترجمہ ہے۔ ۱۱۔کیا مسلمان متعصب ہوتے ہیں (ایضاً) ۱۲۔امن عالم اور اسلام (ایضاً) یہ السلام العالمی والاسلام کا ترجمہ ہے۔ ۱۳۔اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (ایضاً) شبہات حول الاسلام کا ترجمہ ہے۔ ۱۴۔اسلام اور جدید مادی افکار (ایضاً) اسلام بین الاسلام والمادیۃ کا ترجمہ ہے ۔۱۵۔اسلامی اور معاشی تحفظ (یوسف القرضاوی) مشکلات الفقر وکیف عالجہا الاسلامی کا ترجمہ ہے۔ ۱۶۔حیات ابوبکر الصدیق (علی طنطاوی) حیاۃ ابوبکر الصدیق کا ترجمہ ہے۔

اگرچہ ان تراجم کی حیثیت مذہبی ہے لیکن ادب کے لئے موضوع کی تخصیص نہیں ہوتی ہے، ادب کا رشتہ اسلوب سے متعین ہوتا ہے۔ آج بھی ادبی میراث کا بہترین حصہ مذہبی شہ پاروں پر ہی مشتمل ہے۔ یہ ذخیرہ تراجم، ادبی اسلوب کی دلکشی کا ایک توانا احساس دلاتا ہے۔

یہ تو چند دینی کتابوں کے اردو تراجم کی ایک جھلک تھی، خالص ادبی کتابوں کے بھی بے شمار ترجمے ہوئے ہیں۔ان کا سرسری جائزہ حسب ذیل ہے۔

مقامات حریری: کئی حضرات نے علاحدہ علاحدہ اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہے اور اس کی تشریح وتفصیل بھی کی ہے، مشہور مترجمین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولوی اوحدالدین عثمانی، مولوی روشن علی جونپوری، مفتی اسماعیل بن وجیہ الدین مرادآبادی، سید امداد علی خاں وغیرہ۔

دیوان المتنبی: برصغیر ہندو پاک میں اس دیوان کو ہمیشہ غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے اور آج بھی درس نظامی کے تحت چلنے والے مدارس میں شامل نصاب ہے اس کے متعدد اردو ترجمے ہوئے ہیں۔ذوالفقار علی دیوبندی اس کے مشہور مترجم ہیں۔ان کے علاوہ محمد بن احمد ٹونکی نے بھی اس کو اردو کا قالب دیا ہے۔

المعلقات السبع: ہماری زبان اردو میں اس کے تراجم وشروحات کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے لیکن سب سے زیادہ مقبول ومتداول علامہ فیض الحسن سہارنپوری کا ترجمہ ہے، اس کے دوسرے مترجمین میں عبدالرحمٰن بن عبدالکریم صفی پوری، شیخ رشید النبی بن حبیب النبی رامپوری، سید ابوالحسن بن نقی شاہ کشمیری وغیرہ ہیں۔

دیوان الحماسہ: عربی میں شعری انتخاب کے لئے مشہور یہ کتاب روزِ اول ہی سے ہندی علماء وفضلاء کے منظور نظر رہی ہے اور مختلف اہل زبان وقلم نے اس مشہور کتاب کو اردو میں پیش کیا ہے۔ چند مترجمین کے اسماء گرامی ذیل میں دیئے جارہے ہیں: (۱) قاضی نجف علی (۲) مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (۳) شیخ فیض الحسن سہارنپوری

قادۃ الفکر: یہ ماضی قریب کے عربی کے بہت ہی عظیم ادیب ڈاکٹر طہٰ حسین کی کتاب ہے، جامعہ دارالسلام عمرآباد کے استاذ جناب مولانا ثناء اللہ عمری نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

الوعد الحق: اس کے مصنف بھی ڈاکٹر طہٰ حسین ہیں، عبدالمجید حریری نے اس کا نہایت سلیس وسادہ زبان میں ترجمہ کیا۔

فلسفة ابن خلدون الاجتماعية: یہ کتاب بھی ڈاکٹر طہ حسین کے سحر آفریں قلم سے نکل کر اہل علم و دانش کے حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس کے مترجم مولانا عبدالسلام ندوی ہیں۔

الأیام: (دو جلدوں میں) یہ ڈاکٹر طہ حسین کی مشہور خودنوشت سوانح حیات ہے جس کا ترجمہ حکیم سید عبدالباقی سطاری نے کیا ہے۔

محمد اقبال وابو العلاء المعری: یہ ڈاکٹر طہ حسین کا مشہور مقارنہ ہے جس میں انہوں نے ڈاکٹر علامہ اقبال اور مشہور عربی شاعر ابوالعلاء معری کے درمیان مقارنہ کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ عربی کے مشہور ادیب پروفیسر محسن عثمانی نے کیا ہے۔

سلیمان الحکیم، اهل الکهف ، شهرزاد: یہ تینوں کتابیں عربی کے مشہور ڈرامہ نگار ڈاکٹر توفیق الحکیم کی ہے اور اتفاق سے تینوں کتابوں کے ترجمے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کے پروفیسر اسلم اصلاحی کے قلم سے نکلے ہیں۔ اہل الکہف کا ترجمہ مولانا اسلم قاسمی نے بھی ''جاگنی کے بعد'' کے نام سے کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۲ء میں مکتبہ ''شمع'' دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

حکایة حارتنا: یہ نوبل انعام یافتہ ادیب ڈاکٹر نجیب محفوظ کا ناول ہے اس کے بعض اجزاء کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالحق شجاعت علی نے کیا ہے۔

أنا: عربی کے ممتاز ادیب و ناقد عباس محمود العقاد کی خودنوشت سوانح حیات ہے جس کا اردو ترجمہ بہت ہی مشہور مصنف و عالم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے کیا ہے۔

ماجدولین: عربی کے صاحب اسلوب انشاء پرداز وقد آور ادیب مصطفیٰ لطفی المنفلوطی کی کتاب ہے اس کو حبیب شعر دہلوی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

قصة عربية: نہایت ہی آسان و فصیح زبان لکھنے والوں میں کامل کیلانی کا نام سب سے اونچا ہے۔ قصوں کی ایک سیریز انہوں نے لکھی ہے جس کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے۔ انہیں میں سے ایک قصہ عربیہ بھی ہے جس کا اردو ترجمہ جناب بدرالدین نے کیا ہے۔

القیامة رأی العین: شیخ محمد الصواف کی کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا شمس

الحق ندوی نے ''قیامت کا منظر نامہ'' کے نام سے کیا ہے۔

أبوبکر: عرب دنیا کے مقبول ومشہور ادیب جناب محمد حسن ہیکل کے قلم سے نکلی ہوئی اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب محمد احمد پانی پتی نے کیا ہے۔

کتاب دنات المثالث والمثانی فی روایات الاغانی: عربی ادب کی معدودد چند کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی پرانی کتاب ہے جو زبان واسلوب کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ اس کے مصنف ابوالفرج اصفہانی ہیں اس کا ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی نے کیا ہے۔

إذا هبت ريح الايمان: یہ ہندوستان کے مایہ ناز ادیب استاذی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشہور تصنیف ہے جسے محمد الحسن اور واضح رشید ندوی نے مل کر اردو کا قالب دیا ہے۔

روائع اقبال: یہ کتاب بھی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ہے جو علامہ اقبال کی شاعری پر تبصرہ ہے اس کا ترجمہ ''نقوش اقبال'' کے نام سے شمس تبریز خاں ندوی نے کیا جس نے ترجمہ کے بجائے تخلیق کا درجہ پالیا۔

سیف العدالة: یہ فاضل ادیب عطیہ ابراشی کی کتاب ہے جسے محمد سلطان محی الدین نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

هذا الدين، قبسات من الرسول: یہ دونوں کتابیں مشہور ادیب سید قطب کی ہیں ان دونوں کا ترجمہ مترجم اظہر غوری ندوی نے کیا ہے۔

فی ظلال القرآن: اس کی تین جلدوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کے مترجم سید حامد علی ہیں۔

قبسات من الرسول: یہ کتاب بھی سید قطب کی ہے اس کا اردو ترجمہ عبدالمجید اصلاحی نے کیا ہے۔

معالم الطريق: اس کے مصنف بھی سید قطب ہیں۔ اس کا نہایت ہی عمدہ ترجمہ محمد عنایت اللہ سبحانی نے کیا ہے۔

تاریخ الأدب العربی: احمد حسن زیات کی عربی ادب پر مشہور کتاب ہے جو علمی وادبی حلقوں میں کافی مقبول ومتداول ہے اس کا ترجمہ طفیل احمد مدنی نے کیا ہے۔

الأدب العربی المعاصر فی مصر: یہ کتاب اپنے زمانہ کے مایہ ناز محقق، ناقد وادیب ڈاکٹر شوقی ضیف کی ہے۔ جدید عربی ادب پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حال ہی میں اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ شمس کمال انجم نے کیا ہے۔ ترجمہ کے بارے میں محسن عثمانی لکھتے ہیں:

> ''پیش نظر کتاب اردو ادب کے کتب خانہ میں ایک اہم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اصل کتاب جس قدر قابل تعریف ہے اس کا ترجمہ بھی اسی قدر قابل تعریف ہے۔''

قصیدہ بردہ کی روایتیں

جاہلی دور میں جن شعراء کو شہرت ملی، ان میں معروف شاعر زہیر بن ابی سلمی کے بیٹے کعب بن زہیر بھی ہیں۔ کعب بن زہیر نے زمانۂ جاہلیت اور اسلامی دور دونوں ہی زمانے پائے۔ آپ اسلام کی دولت سے مشرف بھی ہوئے۔ اسی لئے انہیں مخضرم (۱) شاعر کہا جاتا ہے۔ کعب بن زہیر نے نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جسے قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔

''قصیدہ بردہ'' کے نام سے دو قصیدے مشہور ہیں:

روایت اول	:	قصیدہ بردہ ''بانت سعاد''
روایت ثانی	:	قصیدہ بردہ

بردہ دراصل چادر کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق ایسے پہناوے پر بھی ہوتا ہے جو جسم کی مکمل ناپ پر نہ تراشا گیا ہو، بردہ یہاں قصیدے کا نام ہے۔ اس کی مذکورہ بالا دو روایتیں ہیں، جس میں سے ایک کی ابتدا ''بانت سعاد'' سے ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عربی زبان میں کم از کم نو سو قصیدے ایسے کہے گئے ہیں جن کی ابتداء ''بانت سعاد'' سے ہوتی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت انہیں دونوں روایتوں کو ملی۔ دونوں قصیدوں کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہیں:

مخضرمین: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جس کو ''مخضرمین'' کہا جاتا ہے۔ جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ بھی، ان میں حضرت حسّان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اور چند صحابہ کرام اور بھی ہیں جنہوں نے اسلام کے دامن میں آ کر پناہ لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار کہے، ان کے کلام میں سچائی اور سادگی ہے، تصنّع سے بُعد اور محبت کے گہرے جذبات کی نمائندگی ہے۔ (دیکھئے: عربی ادب میں نعتیہ کلام، ص ۲۴-۲۳)

پہلی روایت

قصیدہ بردہ کی پہلی روایت شاعر اسلام اور مداح رسول کعب بن زہیر بن ابی سلمی سے متعلق ہے۔ انہوں نے جب اسلام کا شہرہ سنا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے ہوئے ایک خانماں برباد قافلے کی زبانی اسلامی انقلاب کے بارے میں سنا تو حقیقت معلوم کرنے کے لئے اپنے بھائی بجیر کو مدینہ بھیجا، بھائی نے وہاں پہنچ کر اسلام قبول کرلیا جس سے ناراض ہو کر غصے کے عالم میں کعب نے اسلام اور اہل اسلام کے متعلق کچھ نازیبا اشعار لکھ کر بھائی کے پاس بھیجے اور لوٹ آنے کو کہا۔ آپ کو کعب کے ہجو یہ اشعار سے سخت تکلیف پہنچی اور آپؐ نے ان کے خون کو رائیگاں قرار دیا........ بالآخر انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اسلام قبول کرلیا اور یوں دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ انہوں نے ایک معذرت نامہ بھی پیش کیا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی اور اپنی سابقہ غلطی پر شرمندگی کا اظہارِ کیا۔ اسلام کی عظمت کا اعتراف کیا اور قرآن کو کتاب ہدایت کے طور پر تسلیم کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ادبی ذوق کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے اس قصیدے کو سن کر کمال مسرت کا اظہار فرمایا اور دوش مبارک سے اپنی چادر (بردہ) اتار کر کعب بن زہیر کو پہنا دیا۔ اس کی وجہ سے اس قصیدے کا نام ''قصیدہ بردہ'' پڑ گیا۔

دوسری روایت

قصیدہ بردہ کی دوسری روایت علامہ بوصیری بربری سے متعلق ہے۔ انہوں نے بھی ایک قصیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھا جس کا عنوان ''الكواكب الدرية فی مدح خير البرية'' تھا۔ یہ قصیدہ بھی قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نام کی شہرت کا سبب ایک معجزہ ہے۔ بوصیری ایک فالج زدہ انسان تھے انہوں ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدہ کہہ رہے ہیں جس سے خوش ہو کر رسول اللہؐ نے ان کے شانوں پر اپنی چادر (بردہ) مبارک ڈال دی اور نیند کھلی تو دیکھا کہ فالج کا اثر ختم ہوگیا ہے۔ اس معجزانہ شفایابی کی خبر دور دور تک پہنچ گئی۔ روایت کے مطابق اور اسی کے ساتھ

اس قصیدے کی شہرت بھی دور دور تک پہنچی۔

عربی کی کسی نظم کو ایسی شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ نہایت ہی مقبول قصیدہ ہے۔ اس کی نوے سے زیادہ شرحیں عربی، فارسی، ترکی، بربر اور اردو میں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کی تخمیس اور تثلیث میں جو نظمیں لکھی گئیں ہیں ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ قدیم عربی شاعری کے اسلوب کے مطابق یہ قصیدہ بھی نسیب ہی سے شروع ہوتا ہے، نسیب کے بعد شاعر اپنی جوانی ضائع کر دینے پر اظہار تأسف اور اپنی تقصیروں کا اعتراف کرتا ہے، اس کے بعد وہ رسولؐ کے فضائل بیان کرتا ہے۔ آپ کے معجزات کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ قصیدہ کا اختتام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ونعت پر ہوتا ہے اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک التجا ہے۔

اس طرح اس قصیدے کے کل دس اجزاء اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) ابیات ہیں جن کی ترتیب وتفصیل ذیل ہے۔

- مطلع کے کل اشعار بارہ (۱۲) ابیات پر مشتمل ہے۔
- نفس وخواہشات اور اپنی جوانی کی بربادی کے بارے میں سولہ (۱۶) ابیات کہے ہیں۔
- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں تینتیس (۳۳) ابیات کہے ہیں۔
- ولادت نبی سے متعلق گیارہ (۱۱) اشعار ہیں۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور وحی کے بارے میں بائیس (۲۲) ابیات ہیں۔
- قرآن مجید سے متعلق چودہ (۱۴) ابیات ہیں۔
- اسراء اور معراج کے حوالے کے موضوع پر گیارہ (۱۱) ابیات ہیں۔
- اللہ کے رسول اور صحابہ کے غزوات کے بارے میں چوبیس (۲۴) ابیات کہے ہیں۔
- استغفار اور طلب حوائج کے ابیات کی کل تعداد (۱۲) ہے
- مناجات پر مبنی دس (۱۰) اشعار ہیں۔

قصیدہ بردہ کی ان دو روایتوں میں تمیز کرنے کے لئے عرف عام میں کعب بن زہیر کے قصیدہ کو "قصیدہ بانت سعاد" اور بوصیری کے قصیدے کو "قصیدہ بردہ" کہا جاتا ہے۔

قصیدہ بانت سعاد

عربی کے بلند پایہ شاعر کعب بن زہیر عظیم عربی شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کے بیٹے ہیں، جن کا معلقہ "اَلْـمُـعَـلَّقَاتُ السَّبُع" سبع معلقہ میں تیسرے نمبر پر ہے، انہیں شاعر حکمت بھی کہا جاتا ہے اور وہ جاہلی دور کے تین اولین شعراء (امرؤالقیس، طرفہ بن عبد اور زہیر بن ابی سلمٰی) میں شمار ہوتے ہیں۔ کعب بن زہیر قبیلۂ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ، ماموں اور بھائی و بہنوں کے شاعرانہ ماحول میں پرورش پائی۔ باپ نے ان کے اندر شعری ذوق اور قابلیت بھر دی جس کی بدولت جلد ہی ان کی شہرت کا آوازہ مختلف جگہوں پر پہنچ گیا اور ایک عظیم سخنور بن کر صحرائے عرب میں کعب کی شخصیت ابھری۔

ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے اندر کبر و نخوت، تہدید جیسی دیگر برائیاں پائی جاتی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ان کی ذات ان برائیوں سے پاک ہوئی۔ اسلامی تعلیمات کا ان پر گہرا اثر ہوا، صبر و تحمل اور حکمت و دانائی کے اوصاف ان کی شخصیت کا جزو بن گئے ان کی شاعری پند و موعظت کی ترجمان بن گئی۔ جیسا کہ ذیل کے ابیات سے پتہ چلتا ہے:

لَو کُنتُ أعْجَبُ مِنْ شَيْئٍ لأعْجَبَنِي
سَعْيُ الْفَتَى وَهُوَ مَخْبُوْءٌ لَهُ الْقَدَرُ

يَسْعَى الْفَتَى لأمُورٍ لَيْسَ يُدْرِكُهَا
وَالنَّفْسُ وَاحِدَةٌ وَالْهَمُّ مُنْتَشِرُ

وَالْمَرْءُ مَا عَاشَ مَمْدُودٌ لَهُ أمَلُ
لَا تَنْتَهِي الْعَيْنُ حَتَّى يَنْتَهِ الأمْرُ (1)

اسی طرح وہ کثرت سے اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ ہی روزی رساں ہے، وہ اپنے بندوں کو بھوکا نہیں مار سکتا، وہی رائی ونگہبان اور پاسبان ہے، جیسا کہ وہ سخن نواز ہیں۔

أَعْلَمُ أَنِّى مَتَى مَا يَأْتِنِى قَدَرِى
فَلَيْسَ يُحْبِسُهُ شُحٌّ وَلَا شَفَقُ

وَالْمَرْءُ وَالْمَالُ يُنْمِى ثُمَّ يُذْهِبُهُ
مَرُّ الدُّهُورِ وَيُفْنِيهِ فَلَنُسْحَقُ

فَلَا تَخَافِى عَلَيْنَا الْفَقْرَ وَانْتَظِرِى
فَضْلَ الَّذِى بِالْغِنَى مِنْ عِنْدِهِ نَثِقُ

أَنْ يَفْنَ مَا عِنْدَنَا فَلِلَّهِ يَرْزُقُنَا
وَمَنْ سِوَانَا وَلَسْنَا نَحْنُ نَرْتَزِقُ(2)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر اسلام کا فلسفۂ اقتصادی پوری طرح سرایت کر چکا تھا اور انہوں نے اپنی شاعری کو اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار بنا دیا۔

ابیات

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اس قصیدہ کے کل اکیاون (۵۱) اشعار نقل کئے تھے بعد میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب ''سیرۃ الرسول من المغازی والسیر'' کی روایت اور تلخیص وتہذیب کی تو اس میں مزید سات ابیات کا اضافہ کیا، اس طرح اس قصیدے کی کل ابیات کی تعداد اٹھاون (۵۸) ہوگئی۔(3)

اس طرح ''ردائے رحمت'' میں ''قصیدۂ بردہ'' کے ابیات کی کل تعداد ۵۸ ہے۔ تاہم ان کی تعداد ۵۹ ہے، جیسا کہ آگے پورا قصیدہ مع ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

قصیدۂ بردہ کے موضوعات

بنیادی طور پر ''معذرت'' اس قصیدہ کا موضوع ہے، تاہم قصیدہ ہونے کی حیثیت

سے اس میں دیگر موضوعات بھی شامل ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

ابتدائی تیرہ شعروں میں شاعر اپنی ایک فرضی محبوبہ کا ذکر کرتا ہے، جس کا نام اس نے "سُعاد" رکھا ہے، ان اشعار میں وہ کہتا ہے کہ "سعاد" کی آنکھیں سرمگیں ہیں، جو حیا و شرم سے جھکی رہتی ہیں، آواز مدھم اور شیریں ہے، جسم متناسب ہے، ناک نقشہ موزوں، دانت ہمیشہ بھیگے بھیگے سے معلوم ہوتے ہیں جیسے اس نے ابھی جام پئے ہوں، وہ حسن کا پیکر ہے، وعدہ خلافی اس کی فطرت میں نہیں، بے مروت اور متلون مزاج ہے، اس پر مزید مصیبت یہ کہ وہ اتنی دور چلی گئی ہے کہ اس کے وصال کی تمنا بھی محال ہے، کیونکہ جہاں وہ ہے، وہاں تک ایک تیز گام اچھی نسل کی مضبوط ہڈیوں اور چوڑے چکلے سینے والی اونٹنی ہی پہنچ سکتی ہے۔

چودھویں شعر سے چونتیسویں شعر تک اسی اونٹنی کے اوصاف کا بیان جاہلی کلام کے روایتی انداز میں کیا گیا ہے۔

۳۵ رویں شعر میں شاعر کہتا ہے، یہ اونٹنی ایسی ہے جس کے گرد چغلخور گھات لگائے بیٹھے ہیں، وہ چغلخور جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے ہلاک کر دیئے جانے کی دھمکی دی ہے۔ بہر حال موت اگر آنی ہے تو آ کر ہی رہے گی، اس سے کون بچا ہے، وہ کون ہے جس کو کسی عورت نے جنم دیا ہو، پھر وہ نعش پر نہ اٹھایا گیا ہو۔ ۳۸ رویں شعر تک یہ مضمون بندھا ہے۔ اس کے بعد ۳۹ رویں شعر سے ۵۰ ویں شعر تک معذرت کا مضمون ہے۔ جس میں شاعر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر کے عادی ہیں۔ قسم اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ بخشا وہ قرآن جو ہدایت اور احکام الٰہیہ کی تشریح ہے، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، یہ سب لوگوں کا حسد ہے جنہوں نے چغلی کھائی۔

۵۱ رواں شعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی نذر رہے، جو اس قصیدے کا مشہور ترین شعر ہے:

اس شعر کی روایت میں ذرا اختلاف ہے:

اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ یُستَضَاءُ بِہٖ

وَ صَــارِمٌ مِـنْ سُیُـوفِ الْهِـنْـدِ مَسْلُـوْلُ

یہاں بعض روایتوں میں "لَنُورٌ" کی جگہ "لَسَیفٌ" ہے۔اور "صَارِمٌ" کی جگہ "مُهَنَّدٌ" ہے۔اسی طرح "مِنْ سُیُوفِ اللّٰه" کی جگہ "مِنْ سُیُوفِ الْهِنْدِ" جس میں شاعر نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تشبیہ تلوار کی چمک سے دی ہے، جس میں چاند کی سی روشنی ہوتی ہے جو اس وقت ہویدا ہوتی ہے جب ہندوستانی تلوار کوندتی ہے۔ شاعر نے جب یہ شعر پڑھا تو نبی پاکؐ نے اپنی ردائے مبارک اتار کر شاعر کو پہنا دی۔ دوسری روایت کچھ یوں ہے۔

اِنَّ الــرَّسُـولَ لسیفٌ یُسْتَـضَــاءُ بِــهِ
وَ مُهَـنَّـدٌ مِـنْ سُیُـوفِ الـلّٰــهِ مَسْلُـوْلُ

۵۲ویں شعر سے ۵۸ویں شعر تک صحابہ کرام کی شجاعت، جوانمردی، حق پرستی اور صداقت کی تعریف کی ہے۔انصار و مہاجرین کی مدحت سرائی کی ہے۔

اس قصیدے پر ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ رسول پاکؐ کی شان میں لکھے گئے قصیدے میں غزل اور تشبیب کے اشعار کو شامل کرنا سوئے ادب ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ اس وقت قصیدے کا مزاج ہی یہ تھا۔کوئی بھی قصیدہ تشبیب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اس ضمن میں پروفیسر عبدالسلام سرحان کی کتاب "مختارات من روائع الأدب" کی درج ذیل تعبیر ہماری توجہ کی مستحق ہے۔

اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"سُعَـادُ فِـی هَـذِهِ الْـقَـصِیْدَةُ فَتَـاةٌ خِیَـالِیَّةٌ
اِخْتَـرَعَـهَـا خِیَالُـهُ فَرَآهَا تَصَوُّرُهُ لِیُبْدَأَ عَلیٰ
حُبِّهَـا اِنْشَـادَهُ، وَیُـوَالِی فِـی ذِكْـرِهَا اِنْشَانَهُ،
وَیَـرْتَبِـعَ فِـی مَرَابِعِهَا بِخَیْرِ تَقْدِیْمِ عَلیٰ عَادَةِ
الشُّعَرَاءِ فِی شِعْرِهِمِ الْقَدِیْمِ، وَلَكِنِ الْمُلَاحِظَةُ
أَنَّـهُ وَصَفَهَا بِعَدَمِ الْوَلَاءِ وَ رَمَاهَا بِعَدَمِ الْوَفَاءِ،

وَتَحَدَّثَ عَنْ أنَّهَا هَجَرَتْهُ وَقَطَعَتْ حَبْلَ
وَصْلِهِ، وَأبْلَتْ أسْبَابُ وُدِّه، وَاخْتَفَتْ عَنْهُ
فِى مَكَانٍ جِدّ بَعِيْدٍ فَلاَ يُمْكِنِ الْوَصُولُ إلَيْهِ
إلاَّ عَلىٰ ظُهُورِ الْعِتَاقِ النَّجِيْبَاتِ
الْمُسْرِعَاتِ فِى السَّيْرِ ...... ثُمَّ انْتَقَلَ بَعْدَ
ذٰلِكَ إلىٰ وَصْفِ أمَلِهِ فِى رَسُولِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أنْ يَعْفُوا عَنْهُ وَيَغْفِرُ
ذِلَّتَهُ، ويُؤمِّنَهُ عَلىٰ سُعَادِ الَّتِى كَنَى
بِهَا-فِيْمَا أرَىٰ- عَنْ رَاحَتِهِ وَهَنَّأتَهُ إلىٰ
افْتَقَدَهَا زَمَناً طَوِيلاً فَكَانَتْ تَهْرَبُ مِنْهُ،
وَتَبْعَدُ عَنْهُ فَيُحَاوِلُ أنْ يَرْكَبَ إلَيْهَا سَفائِنَ
الصَّحْرَاءِ ويَتَحَمَّلُ فِى سَبِيْلِهَا كُلُّ عَنَاءِ عِلَّةَ
يَظْفُرُ بِهَا أوْ يَنْقرِبُ مِنْهَا وَيَمْضِى يُوعَدُ لَهَا
......، ولٰكِنَّهَا ظَلَّتْ مِنْهُ نَافِرَةً وعَنْهُ
مُغْضِيَةً، وعَلَيْهِ غَاضِبَةً حتَّى وَجَدَهَا أخِيْراً
فِى طَرِيْقِ الأمَلِ والرَّجاءِ، وعَرَفَ أنَّهَا تُقِيْمُ
لَدَى سَيِّدِ الْخَلِيْفَة صَلَوٰتُ اللّٰه وسَلاَمُهُ
عَلَيْهِ...... فَقَدِمَ إلَيْهِ و...بَيْنَ يَدَيْهِ تِلْكَ
الْقَصِيْدَة الْفَرِيْدَة الَّتِى كَانَت الثَّمَنُ الوَحِيْدُ
لِلاتِّصَالِ بِالحَبِيْبِ الْبَعِيْدِ۔"(4)

اقتباس بالا میں پروفیسر موصوف نے سعاد کو ایمان واسلام کی سعادت قرار دے کر اس کے متعلقات کی تعبیر اس کمال خوبی سے کی ہے کہ قصیدہ پر درج بالا اعتراض وارد ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تاریخی تناظر

ہجرت کا ساتواں سال تھا کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا مسلمانوں کو پرامن طریقے سے دعوتی مشن پورے جزیرۂ عرب میں پھیلانے کا موقع ہاتھ آگیا، اسلام کے مبلغین قبیلے قبیلے جا جا کر اسلام کی دعوت دینے لگے۔ انہوں نے ان قبیلوں کو انہیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ نتیجے میں اطراف واکناف سے لوگ جوق در جوق اسلامی دعوت کے مرکز یثرب کی طرف آنے لگے...... اس کی بازگشت عرب کے ریگستانوں اور صحراؤں میں سنائی دینے لگی۔ دور دور سے اسلام کی حقیقت جاننے کے لئے مدینے کا سفر اختیار کرنے والوں میں دو بھائی کعب بن زہیر بن ابی سلمی اور بجیر بن زہیر بن ابی سلمی بھی تھے۔ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بلادِ غامِد سے نکلے تھے۔ بلاد غامد ان کا آبائی وطن تھا۔ راستے میں ''ابرق العزاف'' نامی مقام پر کعب سوچ میں پڑ گیا اور اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس نے اپنے بھائی بجیر سے کہا پہلے تم جاؤ اور دیکھو مدینہ والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے پیغمبر ہیں۔ وہاں سے آکر اپنی رائے دو پھر ہم بھی چلیں گے۔ بجیر نے اپنا سفر جاری رکھا۔ خدمت رسول میں پہنچتے ہی بجیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کعب کو اس کی اطلاع ملی تو بہت برہم ہوئے اور بجیر کو ایک قصیدہ لکھ بھیجا؛ جس کے چار شعر یہ ہیں:

أَلَا أَبـلـغـا عَـنِّـى بُـجَيْـراً رِسـالَةً
فَهَلْ لَکَ فِيمَا قُلْتُ -وَيْحَکَ- هَلْ لَکَا

شَـرِبْـتُ مَـعَ الْـمَـأمُونَ کَـأساً رُوِيَّةً
فَـانْهَلَکَ الْـمَـأمُونُ مِنْهَـا وَعَلَّکَـا

وخَـالَـفْـتُ أَسْبَـابَ الْـهُـدَى وَتَّبَعْتُـهُ
عَـلَـىٰ أَىِّ شَيْ -وَيب غيرك- دَلَّـکَـا

عَـلــیٰ خَـلــقِ لَـمْ تـلَـفُ أمـاً وَلاَ أبـاً
عَـلَـيْـهِ وَلَـمْ تَـدْرُكُ عَـلَـيْـهِ اَخـاً لَـكَـا (5)

اس قصیدے میں کعب نے صرف بجیر کی سرزنش کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کی ہے اور کہا کہ ایسے دین کو جو خاندانی روایات کے خلاف تعلیم دیتا ہے، جسے ہمارے آباء واجداد نے کبھی سنا بھی نہ ہو جس کو اپنے پڑوسی اور اشراف قبائل کی حمایت حاصل نہ ہو، تم نے کس طرح قبول کرلیا۔ یہ شعر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ہجو اس وقت کا سب سے بڑا ترسیلی ذریعہ تھا۔ یہ فتنہ کی جڑ بن سکتا تھا اور اسلام کا اصول ہے "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" یعنی: فتنہ قتل سے زیادہ مضر ہے، کیونکہ ایک فتنہ سے سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام میں فتنہ کو فرد کرنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کا خون ہدر قرار دے دیا، جس کا مطلب تھا کعب کو قتل کرنے سے اس کے خون کا کوئی تاوان ومعاوضہ خواہ قصاص کی شکل میں ہو یا دیت کی شکل میں، کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

اس کے ساتھ بجیر نے کعب کو یہ شعر لکھ بھیجا:

مـن مبـلـغ كَـعْـبـاً فَـهَـلْ لَـکَ فِـی الَّتِـي
تَـلُـومُ عَـلَـيْـهَـا بَـاطِـلاً وَهِـی اَحْـزَمُ

اِلـیٰ الـلّٰـهِ لاَ الْـعُـزّیٰ وَالّـلاتِ وَحْـدَه
فـتـنـجـو إذا كَـانَ الـنّـجَـاء وتـسـلـم

لـدی يـوم لا يـنـجـو ولـيـس بـمـفـلـت
مـن الـنّـارِ الاَّ طـاهِـراً الْـقَـلْـبِ مسلمُ (6)

ان اشعار میں بجیر نے کعب سے کہا کہ تم جس دین پر ملامت کر رہے ہو، وہی دین حق ہے۔ ہم نے لات وعزیٰ کا دین چھوڑ کر اللہ کا دین اختیار کیا ہے، جو نجاتِ اُخروی اور دنیا میں سلامتی کا یقینی راستہ ہے۔ بجیر نے اس قصیدہ میں اس کا اشارہ بھی کر دیا ہے کہ کعب نے جو

راستہ اختیار کیا ہے وہ ہلاکت کا ہے اور عذابِ آخرت اس کی قسمت میں لکھا جائے گا، اور دنیا میں بھی اس کی سزا ملے گی۔

ایک طرف بجیر کا یہ قصیدہ کعب کو پریشان کئے ہوئے تھا تو دوسری طرف وہ مختلف قبائل میں مارا مارا پھر رہا تھا اور کوئی اسے پناہ نہیں دے رہا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون ہدر قرار دے دیا تھا...... بالآخر کعب بن زہیر نے قصیدہ کی شکل میں ایک معذرت نامہ لکھا اور رسول اکرمؐ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں آ کر اس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ملاقات کی اور اپنی نیت سے انہیں آگاہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اور پوچھا کہ کیا اللہ کے رسول ہمیں معاف کر دیں گے۔ انہوں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں۔ چنانچہ وہ مسجد نبوی میں اپنے سر پر کپڑا باندھ کر پہنچے اور لوگوں سے اللہ کے رسولؐ کے بارے میں دریافت کیا۔ لوگوں نے اشارہ سے بتا دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کعب اپنے گناہ سے شرمندہ ہے اور توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونے کی غرض سے آیا ہے، اگر آپ کے پاس اس کو بھیج دیں تو کیا آپ معاف فرما دیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، یہ سنتے ہی انہوں نے اپنے رخ سے نقاب ہٹا دیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! کعب بن زہیر میں ہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام قبول کر لیا اور آپ کی خدمت میں اپنا معذرت نامہ پیش کیا۔ اسی قصیدہ کا مطلع کعب کی ابدی شہرت اور ناموری کا سبب بن گیا۔ مطلع ؎

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُولُ
مُتَیَّمٌ اِثْرَهَا لَمْ یُفْدَ مَکْبُولُ

ادبی محاکمہ

اس قصیدے میں کلام عرب بالخصوص کلاسیکل عرب لٹریچر کی جھلکیاں بھرپور انداز میں نظر آتی ہیں، اس کی اہمیت وافادیت بلاغت وبیان اس طرح بھی قائم ہوتی ہے کہ یہ قصیدہ ایک صحابی کی زبان سے نکلا ہوا ہے، صحابی کا مقام اپنے آپ میں خود ایک عظیم شئے ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ قصیدہ جو غالب انداز میں مدحیہ ہے۔ پیغمبر اسلام اور دنیا کی سب سے عظیم شخصیت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔ نبی کی شان میں قصیدہ اور صحابی کی زبان ہو، کتنا خلوص اور کتنا جذبہ ہوگا، بالخصوص کسی ایسے صحابی کی طرف سے جس کا دل اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے لئے مچل رہا ہو۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب خلوص اور جذبہ شاعر یا قلم کار کے ہمرکاب ہوتا ہے تو بلاغت و بیان کے سارے ہی اسرار اس پر کھل جاتے ہیں۔ الفاظ و تراکیب اس کے لئے اپنے آپ کو نچھاور کر دیتے ہیں اور وہ تخلیق ساحرانہ اور معجزانہ ادبی شہ پارہ بن جاتی ہے...... یہی حال اس قصیدے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایسی شہرت ملی جو کسی بھی قصیدے کو نہیں ملی۔ یہ زبان زد خاص و عام ہوگیا۔ عربی زبان وادب سے شغف رکھنے والوں میں خال خال لوگ ہی ایسے ہوں گے جو اس قصیدے سے واقف نہ ہوں گے۔ بالخصوص اس بیت سے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے رحمت اپنے شانے سے اتار کر شاعر کو پہنائی:

انَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
وَصَارِمٌ مِنْ سُيُوفِ الهند مَسْلُولُ

اس قصیدے میں جاہلی ادب کی مکمل نمائندگی ملتی ہے۔ محبوبہ کا ذکر، اونٹنی کے اوصاف، حسن کا سراپا، گریز، مقصد (معذرت پیش کرنا) اور مدح پر خاتمہ، سہل الفاظ کم، غریب کلمات زیادہ مثلاً عذافرہ، تبغیل، لَہَق، مقید، علکوم، شملیل، زھالیل، برطیل، عساقیل، مثاکیل، قعفا وغیرہ۔ اس کے قصیدہ میں اس ثقالت کلمات کے باوجود ایک پر کیف روانی اور سلاست بھی ہے، خاص طور سے نعت کا جو شعر ہے وہ بندش اور سلاست دونوں لحاظ سے ممتاز ہے۔ (7)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کعب بن زہیر بن ابی سلمی کا شمار وقت کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے، بلکہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی شہرت حطیہ سے بھی زیادہ تھی، جیسا کہ حطیہ کے اس قول سے پتہ چلتا ہے، ابن سلام بھی کہتے ہیں کہ حطیہ نے ایک دن کعب سے کہا:

"قَدْ عَلِمْتُ رِوَايَتِی لَكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ
اِنْقِطَاعِی اِلَیْكُم، وقَد ذَهَبَتْ
اَلْفُحُولَ غَیْرِی وَغَیْرُكَ، فَلَو قُلْتُ
شِعْراً تَذْكُرُ فِیه نفسک وتضعنی
مَوضِعاً بَعْدك فانَّ النَّاسَ
لأشْعَارُكم أروى و اليها أسرع" (8)

یعنی تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے خاندان (کے شعراء مثلاً زہیر بن ابی سلمیٰ کعب کے ماموں خود کعب اور بجیر وغیرہ) کا راوی ہوں۔ تمہیں ہمارے تعلقات کے بارے میں بھی پتہ ہے میرے اور تمہارے سوا کوئی اور عظیم شاعر بچا نہیں ہے، لہٰذا اگر تم کوئی ایسا شعر کہتے جس میں میرا بھی تذکرہ ہوتا تو بہت اچھا ہوتا اس لئے کہ لوگ تمہارے اشعار کی زیادہ روایت کرتے ہیں اور اسے زیادہ قبولیت ملتی ہے۔

چنانچہ کعب بن زہیر نے ایک قصیدہ لکھا جس کا یہ قطعہ ہے:

فمن للقوا فی شأنها من یحکا
إذا ماثوی کعب وفوز جرول

اس سے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ قصیدہ بانت سعاد کی ادبی اہمیت بے وجہ نہیں ہے، اس میں کعب بن زہیر کی ادبی شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے
جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

(جلیل مانک پوری)

حواشی

(1) شوقی ضیف: تاریخ الأ دب العربی جلد، دوم، ص ۸۷،
(العصر الاسلامی) قاہرہ مصر، ۱۱۱۹ھ

(2) شوقی ضیف: ص، ۸۷

(3) نعتیہ الامائل، ج، ا، ص، ۴۵۶، بحوالہ ردائے رحمت، ص، ۱۵

(4) دیکھئے: پروفیسر عبدالسلام سرحان کی کتاب ''مختارات من روائع الأ دب''

(5) شوقی ضیف: تاریخ الأ دب العربی ۲/ ص ۸۴، (العصر الاسلامی) قاہرہ مصر، ۱۱۱۹ھ

(6) شوقی ضیف: تاریخ الأ دب العربی ۲/ ص ۸۴، (العصر الاسلامی) قاہرہ مصر، ۱۱۱۹ھ

(7) مولانا عبداللہ عباس ندوی: ردائے رحمت، ص، ۱۷

(8) ابن سلام جمحی:: طبقات الشعراء، ص، ۸۷، مزید دیکھئے ابوالفرج اصفہانی کی کتاب ''الاغانی'' جلد دوم، ص، ۱۶۵، مطبوعہ دار الکتب، بیروت

قصیدۂ بانت سعاد کے تراجم وتشریحات

اس قصیدے نے جہاں ردائے رحمت حاصل کر کے خود خیر القرون میں شہرت وناموری حاصل کی وہیں رسول پاکؐ کے عقیدت مندوں نے آپؐ کے بعد اسے مزید شہرت دی۔ اس کا مظاہرہ ہمیں اس قصیدے کے تراجم وتشریحات کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دوران تحقیق مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اور تشریحات اور اس کے ردیف وقافیہ پر مبنی تخلیق کیے گئے دیگر نعتیہ کلام تک ہماری رسائی ہوئی۔

چونکہ یہ قصیدہ اصلاً عربی زبان میں ہے، اس لئے لازمی طور پر عربی تراجم وتشریحات کی تعداد زیادہ ہوگی، چنانچہ عربی زبان میں اس کے تراجم وتشریحات کی ایک فہرست موجود ہے، جس میں سے اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

مترجمین/شارحین	تراجم کی سرخیاں
احمد بن محمد الیمنی	الجوہر الوقاد فی شرح سعاد
ابن ہشام الانصاری	شرح بانت سعاد
عطاء اللہ بن احمد الیمنی	حسن السیر لقصیدۃ کعب بن زہیر
عطاء اللہ بن احمد الیمنی	طریق الرشاد إلی تحقیق بانت سعاد
علی بن سلطان الہروی	فتح باب السعاد فی شرح بانت سعاد
محمد حسن المرصفی	القول المراد فی شرح بانت سعاد
مسعود بن حسن بکری القنالی	الاسعاد لحل نظم بانت سعاد
محمد صالح الباعی	بلوغ المراد علی بانت سعاد
جمال الدین سیوطی	کنہ المراد فی شرح بانت سعاد

یہ عربی زبان میں قصیدہ بانت سعاد کی اہم شروحات اور تراجم ہیں علاوہ ازیں دنیا کی دیگر متداول زبانوں میں بھی اس کی شروحات اور ترجمے موجود ہیں، جن میں اردو بھی

شامل ہے۔ اردو میں زیادہ مشہور مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی متوفی ۱۲۴۵ھ کا دوبیتی منظوم ترجمہ ہے۔ اس میں اردو منظوم ترجمہ کے علاوہ فارسی اور عربی میں منظوم ترجمہ موجود ہے نیز عربی میں تشریح بھی ہے۔

رئیس نعمانی نے بھی اپنے مجموعۂ نعت ''چراغ نوا'' میں اس قصیدہ کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جو رباعی کی ہیئت میں ہے۔ اس میں کل بیس نظمیں ہیں۔ سب سے آخری نظم ''منظوم ترجمۂ قصیدہ بانت سعاد'' ہے۔ انہوں نے ۲۰۰۰ء میں ترجمہ کیا تھا، جو ۲۰۰۰ء میں ہی علی گڑھ سے شائع ہوا۔

جہاں تک اردو میں اس قصیدہ کے نثری تراجم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سب سے مقبول مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب ''ردائے رحمت'' (قصیدۂ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح و ترجمانی) کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس میں قصیدہ بانت سعاد کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ ساتھ علامہ بوصیری کے ''قصیدۂ بردہ'' کی شرح و ترجمہ بھی ہے۔ اس کا ایک اور نثری ترجمہ و تشریح مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ نے بھی کیا ہے، جو ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوا، تاہم یہ ترجمہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے قصیدہ کے منثور تراجم کا تجزیہ صرف مولانا عبداللہ عباس ندوی کے ''ردائے رحمت'' اور منظوم تراجم کا جائزہ مولانا الٰہی بخش کاندھلوی کے ''شرح بانت سعاد'' اور رئیس نعمانی کے ترجمہ ''چراغ نوا'' کے حوالے سے لیا جائے گا۔

مختلف اہل ذوق نے اسی قصیدہ پر مبنی قصائد مخمس، مسدس اور مسبع کی شکل میں کی ہے۔ ایسے بیس سے زائد شعراء ہیں جنہوں نے اپنے قصائد کو اسی ردیف و قافیہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے کچھ قصائد کے مطلع کو ذکر کیا جارہا ہے:

لَا تَعْذُلَاهُ فَمَا ذُو الْحُبِّ مَعْذُولُ
اَلْعَقْلُ مُخْتَبَلٌ وَالْقَلْبُ مَسْتُولُ

یہ مقطع اثیر الدین ابوحیان اندلسی کے قصیدے کا ہے جن کی وفات ۶۹۲ھ میں ہوئی ہے۔

قَلْبِی بِکُمُ یَا أَهَیْلِ الْحَیِّ مَأهُولُ
وَحَبُلُـه بِأمَانِی الْوَصُلِ مَوصُولُ

ابن سید الناس البصری الشافعی (ت ۷۳۴ھ) نے اپنے قصیدے کا آغاز اس سے کیا ہے۔

سَلمی سلمتِ فَفِیکَ الصَّبُّ مَقْتُولُ
وَالْعُذْرُ مِنکَ شبیرُ الْعُذر مَقبُولُ

یہ نور الدین الہمذانی (ت ۷۳۹ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

مَا الطَّرُفُ بَعْدَکُم بِالنَّومِ مَکحُولُ
هَذا وَکَم بَیْنَنَا مِنُ رَّبْعِکُم مِیلُ

یہ جمال الدین ابن نباتہ المصری (ت ۷۶۸ھ) نے اپنے قصیدے کا مطلع اس شعر سے شروع کیا ہے۔

بَانَتْ سُعَادُ، فَعَقْدُ الصَّبر مَحْلُولُ
وَالدَّمْعُ فِی صَفُحَاتِ الْخَدِّ مَبذُولُ

یہ ابن جابر الندلسی (ت ۷۸۰ھ) کے قصیدۂ معارضہ کا مطلع ہے۔

جُرحُ الْجَفُونِ بِقَذْفِ الدَّمعِ تَعْدِیلُ
وَلُحُبُ شَاهِدُه الْمَجُروح مقبول

برہان الدین القیر اطی (ت ۷۸۱ھ) نے اس قصیدے کی تخلیق کی ہے۔

إلَی مَتَی أنتَ بِاللَّذاتِ مَشغُولُ
وَأنتَ مِنُ کُلِّ مَا قَدَّمتَ مَسئُولُ

یہ صاحب قصیدہ بردہ شیخ محمد بن سعید البوصیری (ت ۶۹۶ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

أَضَاءَ لِی بِاللِّوَی وَالْقَلْبُ مَتبُولُ
نَجدیّ برقِ بِنارِ الْحُبِّ مَوصُولُ

یہ ابوالقاسم محمود الزمخشری صاحب تفسیر الکشاف (ت ۵۳۸ھ) کے تخلیق کردہ قصیدے کا مطلع ہے۔

صَبٌّ عَلِیلٌ وَمَا بِالرَّبعِ تَعلِیلُ
فَلَیسَ الاَّ عَلَی الاعوالِ تَعوِیلُ

عبدالمحسن التنوخی الحلبی (ت ۶۴۳ھ) نے اپنے قصیدے کا مطلع اس طرح قائم کیا ہے۔

مَصُونُ وَمَعِی علیٰ الْخَدّین مَبذُولُ
وَفِیکُم أنَا مَعذُورٌ وَمَعذُولُ

یہ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم علاء الدین الدمشقی کے قصیدے کا مطلع ہے جس کا نام ''شمس المطالع فی مدح القمر الطالع'' ہے۔

هَلْ حَبلُ عِزَّةَ بَعدَ الْبَینِ مَوصُولُ
أوبَارِقُ الْوَصلِ بَینَ الْبَینِ مَأمُولُ

اس سے محی الدین بن یعقوب الفیروزآبادی صاحب القاموس نے اپنے قصیدے ''زادالمعاد فی معارضة بانت سعاد'' کا مطلع قائم کیا ہے۔

سَیفُ الْعُیُونِ عَلیٰ الْعُشَّاقِ مَسلُولُ
وَصَارِمُ اللَّحظِ مَسنُونُ وَ مَصقُولُ

یہ اسماعیل بن محمد القلقشندی (۸۲۱ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

قَلْبٌ عَلیٰ الْحُبِّ وَالأشوَاقِ مَجبُولُ
هَیهَاتَ یَنفَعُ فِیهِ الْقَالُ وَالْقِیلُ

شمس النواجی (ت ۸۵۹ھ) اس مطلع کے خالق ہیں

هَلُ فِی الْبُرُوقِ عَنِ الْاَحْبَابِ تَعْلِیْلُ
لَا وَالَّذِی وَمَالَهُ فِی الْحُکْمِ تَعْلِیْلُ

عبدالغنی النابلسی نے بھی قصیدۂ معارضہ لکھا ہے جس کا نام "نفحة القبول فی مدح الرسول" رکھا ہے۔ یہی اس قصیدے کا مطلع ہے۔

علاوہ ازیں دیگر کئی قصائد ہیں جو قصیدہ بانت سعاد کے ردیف اور قافیہ پر مبنی ہیں، اس سے تراجم وتشریحات کے علاوہ تعاریف کی سطح پر بھی اس قصیدے کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے۔ قصائد معارضہ کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں تراجم وتشریحات سے ضرور قائم ہوتا ہے۔ ان قصائد سے گو کہ ہر ایک شعر کا مفہوم واضح نہیں ہوتا مگر بنیادی طور پر اس قصیدے کے مختلف گوشوں کو ضرور ان سے روشنی ملتی ہے، چنانچہ ان سے قصیدے کے فکرۂ رئیسیہ (Centeral Idea) کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کے اصل ہدف (مدح رسول) کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔ معارضہ کے سارے شعراء نے اس قصیدے کا لازمی طور پر مطالعہ کیا ہوگا اور اس کے معانی کو اپنے قصائد میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا بالفعل کیا ہے اور یہ بات جگ ظاہر ہے کہ نقل معانی اور انتقال مفہوم ہی کو ترجمہ کہا جاتا ہے۔ بایں ہمہ زیر بحث قصیدہ کے معانی کو منتقل کرنے کی روایت ان شعراء کے یہاں واضح طور پر ملتی ہے، جیسا کہ قاضی محی الدین بن عبدالظاہر کے قصیدۂ معارضہ (طرحی قصیدہ) کے آخر کے یہ دو شعر دلالت کرتے ہیں۔

قَدْ قَالَ کَعْبٌ فِی النَّبِی قَصِیْدَۃً
وَقُلْنَا، عَسیٰ فِیْ مَدْحِہٖ نَتَشَارَکُ
فَاِنْ شَمِلْنَا بِالْجَوَائِزِ رَحْمَۃً
کَرَحْمَۃِ کَعْبٍ فَھُوَ کَعْبٌ مُبَارَکٌ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کعب نے ایک قصیدہ کہا اور میں نے بھی کہا، تا کہ ان کی مدح میں ہم سب شریک ہو جائیں، اگر نبی پاکؐ نے اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنے

انعامات سے نواز دیا جیسا کہ کعب پر رحم فرمایا تھا تو میرا قدم (عمل) مبارک ہوگا۔

اسی طرح شمس الدین النواجی (م ۸۵۹ھ) نے بھی اپنے طرحی قصیدہ "بانت سعاد" کے آخر میں اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ سخن نواز ہیں:

كَعُبٌ لَـهُ فِي مَدِيحِ الْمُصْطَفٰى قَدَمٌ
سَبَّـاقَةٌ وَبِـخَيْـرِ الْـخَلْقِ تَفْضِيْلُ

وَرَوْضَةُ ابْنُ زُهَيْرٍ طَـابَ مَغْرَسَهَا
فَـزَهَـاهَـا بِـنَـدَى كَفِيْـهِ مَطْلُولُ

وَانْ نَسَجْتُ عَـلٰى مَنُوالِ بُرْدَتِـهِ
طِـرَازَ مَدْحٍ، لَـهُ بِـالدُّرِ تَلْكِيْلُ

فَـاِنَّـهُ كَـانَ مِفْتَـاحاً لِبَـابِ هُدَى
لَـنَـا بِـهِ فِيْ دِيَارِ الْخُلْدِ تَـاهِيْلُ

اِنْ لَـمْ أفُـزْ بِقَبُـولٍ فِـيْ مَتَـابِعَتِـيْ
بَـانَـتْ سُعَـادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولُ

یعنی:

- نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کعب رضی اللہ عنہ کو ید طولیٰ حاصل ہے اور مخلوق کے سب سے اچھے انسان سے ان کی فضیلت ثابت ہے۔
- ابن زہیر کے لگائے ہوئے باغ کی زمین بڑی مبارک ہے اس کو اور بھی پُر بہار ان مبارک ہاتھوں کی سخاوت نے کر دیا، جس کی شبنم سے وہ سینچا گیا۔
- اگر میں نے ان (کعب) کی "چادر" کے انداز پر مدح کی ایک چادر بنی جس کی گوٹ موتیوں سے مزین ہے۔
- تو اس لئے کہ وہ بابِ ہدایت کی کنجی ہے، جس سے جنت کی منزل میں سکونت کا

دروازہ کھلے گا۔

- اور اگر (خدانخواستہ) میں پیروی میں قبولیت سے سرفراز نہیں کیا گیا تو ''سعادْ'' جدا ہو جائے گی اور یوں آج میرا دل زخمی ہو جائے گا۔

ان دونوں مثالوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان طرح قصیدوں کا تراجم وتشریحات سے بجاطور پر علاقہ ثابت ہے۔

''قصیدہ بانت سعادْ'' کے تراجم وتشریحات کے حوالے سے مختصر اور تمہیدی گفتگو کرنے کے بعداب بنیادی موضوع کی طرف رجوع کیا جارہاہے اوراس کے منثور ومنظوم اردو تراجم کے بارے میں تفصیلی گفتگو پیش کی جارہی ہے۔

چونکہ قصیدہ کے اردو نثری ترجمہ میں صرف مولانا عبداللہ عباس کے ترجمے ''ردائے رحمت'' تک ہماری رسائی ہوئی ہے، اس لئے اس کے حوالے سے قصیدہ کے اردو منثور ترجمے کا تجزیہ پیش کیا جارہاہے۔

قصیدہ بانت سعاد کے نثری تراجم کا جائزہ

(ردائے رحمت کے حوالے سے)

ردائے رحمت کا تعارف و تجزیہ

"ردائے رحمت" وقت کے نامور قلم کار اور ادیب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی رشحات قلم کا شاخسانہ ہے جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ "ردائے رحمت" نامی یہ کتاب صحابیٔ رسول کعب بن زہیر کے قصیدۂ بانت سعاد اور علامہ بوصیری بربری کے قصیدۂ بردہ کی اردو میں شرح و ترجمانی پر مبنی ہے۔ کتاب کا عنوان "ردائے رحمت" ہے، جو قصیدے کے نہایت ہی اہم پہلو کی ترجمانی کرتا ہے۔ چنانچہ رحمت دو عالم کی ردائے مبارک کا عطیہ دونوں قصیدوں پر ملا ہے۔ جہاں تک کعب بن زہیر کے قصیدے کا تعلق ہے تو انہوں نے خود رسالہ مآب صلعم کی شان میں ایک مدحیہ کلام پیش کیا تھا، جس میں معذرت و مدح سرائی کے ساتھ ساتھ قدیم قصیدے کے سارے عناصر موجود ہیں۔ انہوں نے یہ قصیدہ آپؐ کے روبہ رو مسجد نبوی میں پیش کیا تھا اور جس کے ایک شعر پر خوش ہو کر سرورِ کائنات نے اپنی ردائے مبارک انہیں مرحمت فرمائی تھی جس کی وجہ سے اسے کافی شہرت و ناموری ملی۔ جہاں تک علامہ بوصیری بربری کے قصیدے کا تعلق ہے تو اس قصیدہ پر بھی رسول پاکؐ کی طرف سے چادر عطا کئے جانے کی روایت ملتی ہے۔

چنانچہ علامہ بوصیری بربری نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول پاکؐ کے روبرو آپ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کر رہے ہیں جس سے خوش ہو کر آپؐ نے اپنی ردائے رحمت انہیں ہدیہ کر دیا ہے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد انہوں نے اس قصیدے کی تخلیق کی، چونکہ دونوں قصائد میں رسول رحمتؐ کی طرف سے ردائے رحمت عطا کئے جانے کا واقعہ ملتا ہے، اسی لئے ان دونوں قصائد کی اردو میں شرح و ترجمانی کرتے ہوئے مترجم نے اپنی کتاب کا عنوان "ردائے رحمت" رکھا۔ یہی دونوں واقعے اس کتابہ کی وجہ تسمیہ بھی ہیں۔

یہ کتاب عربی کے مذکورہ بالا دونوں قصائد کی اردو زبان میں ایک مبسوط و مفید شرح ہے۔ اس میں اشعار کا ترجمہ ان کی لفظی اور معنوی تشریح اور خلاصۂ مضمون پیش کرنے اور اہل

علم وادب کے لئے ادبی نکات اور نحو وبلاغت کے اہم پہلوؤں کی طرف رہنمائی کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، نیز کلام کا پس منظر اس کا مکمل مفہوم اور خصوصیات دلکش پیرایۂ بیان اور عالمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح کی منطقیانہ اور عامیانہ موشگافیوں سے پرہیز کر کے پوری قوت کلام کے مفہوم کو سہل اور اس کی ادبی حلاوت کو عام بنانے پر مرکوز کی گئی ہے، تا کہ پڑھنے والے کو کلام کی خوبیوں اور اس کی قوت وتاثیر کا صحیح طور سے اندازہ ہو سکے اور وہ اس سے پورا فائدہ حاصل کر سکے۔

یہی نکات قصیدہ بانت سعاد کے نثری ترجمے کی خصوصیات اور طریقۂ کار کا بھی تعین کرتے ہیں، چونکہ مترجم بذات خود عربی اور اردو دونوں زبانوں کے باکمال ادیب اور مشہور صاحب کلام تھے اور مترجم کے لئے مصدر زبان (Source Language) اور ہدف زبان (Target Language) دونوں میں مہارت رکھنا ضروری ہے، دونوں زبانوں سے واقفیت ہی اچھے ترجمے کو جنم دے سکتی ہے اور زیر بحث مترجم اس اصول پر کھرے اترتے ہیں اس لئے زیر بحث ترجمے کا بھی بہترین شاہکار ہونا ایک بدیہی سی بات ہے۔

اس ترجمے کی ایک ضروری خصوصیات یہ ہے کہ اس میں ترجمے کی قدیم روایت کی عامیانہ تقلید نہیں کی گئی ہے بلکہ مترجم نے اپنی صواب دید کے مطابق عبارت فہمی کی روش اختیار کرتے ہوئے ترجمانی میں نئے اور انوکھے انداز کو حرزِ جاں بنایا ہے، بہت سارے ابیات کے متداول مفہوم میں نئے افق اور نئے دریچے وا کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح نحویوں اور صرفیوں کے قید وبند کے حصار کو بھی توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے بلکہ کتاب کے شروع میں "عرض مؤلف" کے ضمن میں نحو وصرف کی قید وبند کی شدتوں پر آنسو بہایے ہیں، اس کی آڑ میں زبان وادب اور فصاحت وبلاغت کے گلہ گھونٹے جانے پر ماتم بھی کیا ہے۔

مترجم نے بوقت ضرورت بین القوسین (" ") کا بھی استعمال کیا ہے جس سے اشعار کی بہتر ترجمانی کی راہ ہموار ہوئی ہے اور اچھی تفہیم کی فضا سازگار ہوئی ہے۔ یہ ترجمہ اپنے صاف وشفاف طرزِ تحریر، شگفتہ اسلوب اور پاکیزہ بیانی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ منجملہ یہ ہے کہ ردائے رحمت میں قصیدے کی نہایت ہی خوبصورت، سلیس اور فصاحت وبلاغت سے بھرپور

ترجمانی کی گئی ہے۔جس کی وجہ سے یہ ترجمہ اردوداں طبقہ میں کافی معروف ومقبول ہو چکا ہے۔

ردائے رحمت کا تجزیہ

ردائے رحمت میں قصیدہ بانت سعاد کے کل ابیات کی تعداد (۵۹) ہے۔مترجم نے قصیدۂ بانت سعاد کے ہر شعر کے ترجمہ کے بعد مشکل کلمات کے لغوی ومعنوی اور اصطلاحی مفہوم سے بحث کی ہے۔ذیل میں ترجمے کے ساتھ ہر شعر نقل کرنے کے بعد ترجمے اور حل طلب مقامات پر مترجم کی بحث پر تبصرہ درج ہے۔مترجم نے جن مربوط اشعار کا ترجمہ اور ان کے مفاہیم سے ایک ساتھ بحث کی ہے، ان پر تبصرہ بھی اسی انداز میں کیا گیا ہے۔ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں مترجم نے صرف ترجمے پر اکتفا کیا ہے، ان موقعوں پر تبصرہ بھی ترجمے تک محدود ہے۔

(۱) مطلع بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الیومَ متبولُ
مُتَیَّم إثرَھا ، لَمْ یُفْدْ، مکبُولُ

ترجمہ: ''میرا دل بے چین ہے، آج سعاد داغِ مفارقت دے گئی، اور میں اس کے پیچھے ایسا محبت کا غلام ہوں جس کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں اور جس کی رہائی کے لئے کوئی فدیہ نہیں دیا گیا ہے۔''

تبصرہ: یہاں ''متبول'' کے بجائے بعض نسخوں میں ''مبتول'' ہے، مترجم نے ''متبول'' کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔''متبول'' کا ترجمہ ''محبت کا غلام'' سے کیا ہے، اس کے بعد ''جس کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں اور جس کی رہائی کے لئے کوئی فدیہ نہیں دیا گیا ہے'' کو دیکھتے ہوئے ''متبول'' کا ترجمہ ''اسیر محبت'' سے کرنا ترجمہ میں مزید سلاست پیدا کر دیتی ہے، جو اردو زبان کی روح سے قریب تر بھی ہے، مترجم نے تشریح کے دوران ان کا مفہوم یوں بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے ''سعاد دور چلی گئی، میرا دل مضطرب ہے اور خود میرا وجود ایک ایسے قیدی کے مانند ہے جس کی ضمانت نہ ہو رہی ہو اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں'' تاہم زیر

بحث شعر میں ''لم یُفد'' وارد ہے، جس کا مطلب ہے ''جس کا فدیہ نہیں دیا گیا ہے'' پہلے ترجمے میں ''فدیہ'' دوسرے میں ''ضمانت'' گوکہ لفظ کی روح سے ہم آہنگ نہیں کیونکہ ضمانت میں مجرم کلی طور پر آزاد نہیں ہوتا ہے لیکن فدیہ دینے سے کلی طور پر آزادی حاصل ہو جاتی ہے......تاہم معاصر عہد میں ''ضمانت'' کے استعمال سے نقل مفہوم کا مقصد قدرے واضح ہو جاتا ہے۔

(۲) وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ الْبَيْنِ إِذْ رَحَلُوا
إِلَّا أَغَنُّ غَضِيضُ الطَّرْفِ مَكْحُولُ

ترجمہ: ''جب صبح کو قافلہ روانہ ہو رہا تھا، جس قافلہ میں سعاد بھی تھی اس وقت اس کی دھیمی نسوانی آواز، سرگیں آنکھیں، نیچی نگاہیں (آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہیں)۔''

تبصرہ: اس شعر میں محبوب کے سراپا کا ذکر کیا گیا ہے، یہاں ''جس قافلہ میں سعاد بھی تھی'' لفظی اعتبار سے زائد ہے، اسی طرح (آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہیں) کو بین القوسین کے ذریعہ مفہوم کی وضاحت بھی ایک زائد تعبیر معلوم ہو رہی ہے۔ مقالہ نگار کی صواب دید کے مطابق اس کا صحیح ترجمہ یوں ہو سکتا ہے ''صبح کے وقت جب لوگ کوچ کر رہے تھے سعاد کا سراپا کچھ یوں تھا کہ اس کی آواز دھیمی نسوانی، آنکھیں سرگیں اور نگاہیں نیچی تھیں۔

(۳) هَيْفَاءُ مُقْبِلَةً، عَجْزَاءُ مُدْبِرَةً
لَا يُشْتَكَى قِصَرٌ مِنْهَا وَلَا طُولُ

ترجمہ: ''جب سامنے ہوتی ہے تو چھریرے بدن کی معلوم ہوتی ہے، جب پیچھے مڑتی ہے تو بھاری بھرکم (گداز جسم) کی نظر آتی ہے، اس کا قد ایسا ہے جس میں نہ پستہ قد ہونے کی شکایت کی جا سکتی ہے نہ دراز قد ہونے کی۔''

تبصرہ: اس شعر کا ترجمہ بہت حد تک رعایت لفظ اور زبان کی روح

سے قریب تر ہے۔

(۴) تَجلُو عَوارِضَ ذِیْ ظَلَمٍ إذَا ابْتَسَمَتْ
کَأَنَّهُ مُنهَلٌ بِالرَّاحِ مَعلُولُ

ترجمہ: ''جب وہ مسکراتی ہے تو لعاب دہن سے تر دانت چمک اٹھتے ہیں جیسے اسی راہ سے پہلا جام شراب اور دوسرا جام شراب گزرا ہے۔''

تبصرہ: اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ سعاد کے دانت لعاب دہن سے تر ہیں، جب وہ مسکراتی ہے تو یہ دانت چمک اٹھتے ہیں، گویا اس پر جام پر جام انڈیلے گئے ہوں جسے تراوٹ میں اضافہ اور دانتوں میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ''ذی ظلم'' کا ایک معنی ''بریق'' کا ہوتا ہے، جس کی طرف مترجم نے اشارہ بھی کیا ہے(۱) جس کے مطابق ترجمہ کچھ یوں ہوگا ''جب وہ مسکراتی ہے تو ایسے چمکدار دانت دکھائی دیتے ہیں جس پر یکے بعد دیگر دو دو جام کے دور چلائے گئے ہوں۔ دراصل ''چمکدار'' اور ''لعاب دہن سے تر دانت'' دونوں میں قریب تعلق ہے، دونوں سے سعاد کی خوشحالی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ عرب ایک ریگستانی علاقہ ہے، پانی وہاں کی بڑی نعمت تھی، جسے پانی میسر ہو اس کے دندان چمکدار ہو جاتے ہیں لیکن پیاس سے اور بدحالی سے لوگوں کے دانت خشک اور سوکھے ہوتے ہیں۔

(۵) شُجَّتْ بِذِیْ شَبَمٍ مِنْ مَّاءِ مَحْنِیَةٍ
صَافٍ بِأَبْطَحَ أَضْحَیٰ وَهُوَ مَشْمُولُ

(۶) تَنفِی الرِّیَاحُ الْقَذَیٰ عَنْهُ وَأَفْرَطَهُ
مِنْ صَوْبِ سَارِیَةٍ بِیْضٌ یَعَالِیْلُ

ترجمہ: ''محبوب کے دنداں ایسی شراب سے تر ہیں جس میں ٹھنڈا اور صاف وشفاف پانی ملا ہوا ہے، نیز وہ پانی ایسے برفانی اولوں سے پگھل کر بنا ہوا ہے وہ پانی

---

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت' ص:۳۱ (حاشیہ)

جو بہہ کر وادی کے موڑ پر بلندی سے گرا ہو اور سطح پر آ کر صاف وشفاف نظر آتا ہو اور شمال کی جانب سے چلنے والی ہوا اس کی سرد رکھتی ہے۔"

دوسرے شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہوائیں اس پانی سے گرد وخاشاک کو دور کرتی ہیں اور اس صفائی اور ٹھنڈک کو اس بارش کا پانی اور بڑھا دیتا ہے جو رات کو اٹھنے والے بادل سے برستا ہے اور مسلسل پانی بہانے والے پہاڑ اضافہ کرتے رہتے ہیں۔"

تبصرہ: گو کہ دونوں اشعار کا ترجمہ کافی حد تک لفظوں کی رعایت کرتے ہوئے کیا گیا ہے تاہم ہدف زباں (Target Language) کی روح کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

(۷) اَکْرِمْ بِهَا خُلَّةً لَوْ أَنَّهَا صَدَقَتْ
مَوْعُودَهَا أَوْلَوْ أَنَّ النُّصْحَ مَقْبُولُ

(۸) لَكِنَّهَا خُلَّةٌ قَدْ سِيطَ مِنْ دَمِهَا
فَجْعٌ وَ وَلْعٌ وَ إِخْلَافٌ وَتَبْدِيلُ

ترجمہ: "اس کی دوستی کتنی قابل عظمت ہوئی ہے یا وہ کس درجہ اچھی دوست ہوتی، کاش وہ اپنے وعدے کی سچی اور بات ماننے والی ہوتی، لیکن وہ تو ایسی دوست ہے کہ اس کی رگ وپے میں دکھ پہنچانا اشتیاق بڑھانا، وعدہ خلافی کرنا اور مکر جانا سرایت کئے ہوئے ہے۔"

تبصرہ: یہاں مترجم نے اپنے ترجمہ پر کوئی تبصرہ وتشریح نہیں کی ہے، بلکہ صرف ترجمے پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں "اکرم بہا خلة" فعل تعجب ہے، جس کی بہتر ترجمانی "کیا ہی اچھا دوست ہوتی اگر وہ........" یہاں "خلة" پہلے اور دوسرے دونوں اشعار میں وارد ہے، دونوں میں اسم (دوست) کے معنی میں استعمال ہوا، "دوستی" کا معنی کرنا اسے "مصدر" قرار دینے کا باعث ہے اور یہ بات طے ہے کہ پہلے مصرعے میں "مصدر" نہیں

ہے۔لہٰذا مصدر کا ترجمہ کرنا ترجمے میں ضعف کو ظاہر کرنا ہے۔

(۹) فَمَا تَدُومُ عَلَىٰ حَالٍ تَكُونُ بِهَا
كَمَا تَلَوَّنُ فِي أَثْوَابِهَا الْغُولُ

(۱۰) وَلَا تَمَسَّكُ بِالْوَعْدِ الَّذِي زَعَمَتْ
إِلَّا كَمَا تُمْسِكُ الْمَاءَ الْغَرَابِيلُ

ترجمہ: ''کسی حال پر اس کو قرار نہیں ، اور ہر آن اس طرح رنگ بدلتی ہے جیسے بھوت پریت اپنے پیراہن اور شکلیں بدلتے ہیں اور وعدہ کا اس کے یہاں کوئی پاس نہیں ہے اور جو وعدہ کرتی ہے وہ اتنی ہی دیر قائم رہتا ہے جتنی دیر چھلنی میں پانی''

تبصرہ: ان کی ترجمانی کافی حد تک قابل تعریف ہے، تاہم ''فيما تدوم على حالٍ تكون بها'' کا ترجمہ ''کسی حال پر اس کو قرار نہیں'' کرنا تعبیر میں خلل سے مبرا نہیں بلکہ کسی ایک حال پر اسے دوام نہیں، اسی طرح ''اور ہر آن اسی طرح رنگ بدلتی ہے'' کو بین القوسین میں ہونا چاہیے، کیونکہ ''تلون'' لفظاً وارد نہیں بلکہ مفہوماً مترجم نے یہ جملہ استعمال کیا ہے جسے ترجمے کے اصول کے مطابق بہر حال قوسین کے اندر ہونا چاہیے تھے۔

(۱۱) فَلَا يَغُرَّنْكَ مَا مَنَّتْ وَمَا وَعَدَتْ
إِنَّ الْأَمَانِيَ وَالْأَحْلَامَ تَضْلِيلُ

(۱۲) كَانَتْ مَوَاعِيدُ عُرْقُوبٍ لَهَا مَثَلًا
وَمَا مَوَاعِيدُهَا إِلَّا الْأَبَاطِيلُ

(۱۳) أَرْجُو وَآمُلُ أَنْ تَدْنُو مَوَدَّتُهَا
وَمَا إِخَالُ لَدَيْنَا مِنْكِ تَنْوِيلُ

ترجمہ: ''جو تمنا وہ دل میں پیدا کرے یا امیدیں دلائے یا وعدے کرے اس سے دھوکہ نہ کھانا، جھوٹی امیدیں دلانا اور خواب وخیال کی باتیں بنانا راہ روی ہے، اس کے وعدوں پر عرقوب کی مثال صادق آتی ہے، اور اس کے وعدے ہمیشہ لغو اور باطل ہوتے ہیں (مگر پھر بھی) چاہتا یہی ہوں، امید یہی ہے کہ اس کی چاہت بڑھے، مگر اے سعاد! میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری طرف سے مجھے محبت کا جواب ملے گا۔''

تبصرہ: یہاں پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''إن الامانی والاحلام تضلیل'' کا ترجمہ مترجم نے یوں کیا ہے کہ ''جھوٹی امیدیں دلانا اور خواب کی باتیں بنانا بے راہ روی ہے'' یہاں ''احلام'' کا ترجمہ ''خواب وخیال کی باتیں بنانا'' صحیح تعبیر کی روح سے کلی طور پر ہم آہنگ نہیں ہے، خواب وخیال کی باتیں کرنا زیادہ مناسب ہے، بلکہ ''سبز خواب دکھلانا'' اس سے زیادہ بہتر تعبیر ہو سکتی ہے۔

یہاں تک شاعر نے اپنی محبوبہ کے سراپا کا جائزہ لیا ہے جس میں اس کی تمام تر خوبصورتی کے باوجود اس کے اخلاق ومروت پر سوالیہ نشان لگایا ہے، محبت کے جذبات کی ناقدری کی بات کہی گئی ہے، اس کے بعد قصیدہ کا پہلا گریز شروع ہوتا ہے اور شاعر محبوب کے فراق میں لگ جاتا ہے جس تک کوئی برق رفتار سواری ہی اسے پہنچا سکتی ہے اور شاعر کے اس دور میں اونٹنی ہی ریگستان کا جہاز بن سکتی تھی اس لئے شاعر اس اونٹنی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے سخن نواز ہے۔

(۱۴) أَمْسَتْ سُعَادُ بِأَرْضٍ مَايُبَلِّغُهَا
إِلَّا الْعِتَاقُ النَّجِيبَاتُ الْمَرَاسِيلُ

ترجمہ: ''سر شام سعاد ایسی بستی میں پہنچ گئی ہے (یاد رہے کہ قافلے، خاص طور پر جن میں خواتین ہوں، سر شام کہیں پڑاؤ کرتے تھے) جہاں صرف اچھے نسل کی اصیل، تیز رو اونٹنیاں ہی پہنچ سکتی ہیں جو تھکنے کے بعد بھی تیز گام وتیز رو ہوتی ہیں۔''

تبصرہ: یہاں ''سر شام سعاد ایسی بستی میں پہنچ گئی ہے'' رعایت لفظی

کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ "سعاد کی شام ایسی سرزمین پر ہو رہی ہے جہاں صرف.......الخ)

(۱۵) وَلَنْ يُبَلِّغُهَا إِلاَّ عُذَافِرَةٌ
فِيهَا عَلَى الأَيْنِ إِرْقَالٌ وَتَبْغِيلُ

ترجمہ: "اور اس بستی تک صرف چوڑے چکلے ہڈیوں والی ایسی اونٹنیاں پہنچ سکتی ہیں جو تھکنے کے بعد بھی تیز گام و تیز رو ہوتی ہیں۔"

تبصرہ: مترجم نے "عذافرۃ" "الأین" "ارقال" اور "تبغیل" کے معنی بھی پیش کئے ہیں، اس میں بہت حد تک الفاظ کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اس ترجمہ میں کچھ اضطراب پایا جاتا ہے، چنانچہ تھکنے کے بعد تیز گام ہونا صرف "ارقال" کا مفہوم ہے، "تبغیل" کا مفہوم "اونچے نیچے راستہ پر تیز دوڑنا ہوتا ہے، یہاں اونچے نیچے (پُر پیچ) راستوں پر بھی اس کا تیز گام ہونا واضح نہیں، لہٰذا اگر اس کا ترجمہ یوں کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ "جو تھکاوٹ کے باوجود بھی تیز گام رہتی ہے پر پیچ اور غیر ہموار راستوں پر بھی اس کی تیز رفتاری قائم رہتی ہے۔

(۱۶) مِنْ كُلِّ نَضَّاخَةِ الذِّفْرَىٰ إِذَا عَرِقَتْ
عُرْضَتُهَا طَامِسُ الأَعْلامِ مَجْهُولُ

ترجمہ: "جب بھی وہ پسینہ آلود ہوتی ہے تو اس کے کان کی لو سے پسینے کی دھار جاری رہتی ہے اور اس کی ہمت کے آگے انجان راستے ہوتے ہیں۔"

تبصرہ: اس شعر میں "نضاخہ الذفریٰ" کا ترجمہ "اس کی کان کی لو سے پسینے کی دھار جاری رہتی ہے" کیا، اور "طامس الأعلام" کا نشان راہ جو صفت کی اضافت موصوف کی طرف کرنے کی صورت میں مستفاد ہوتی ہے، حالانکہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف قدیم نحوی قاعدے میں متداول بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔ اس پر تعلیق چڑھاتے ہوئے خود مترجم نے لکھا ہے "نضاخة الذفریٰ" اور "طامس

الأعلام" کو میں نے اضافتِ صفت موصوف کی طرف کہا ہے، قدیم نحوی اصطلاح میں یہ بات جائز نہیں ہے، وہ موصوف محذوف مانتے ہیں، لہٰذا کہیں گے کہ دراصل "ناقة نضاخة الذفریٰ" اور "طریق طامس الأعلام" تھا، مفہوم ایک ہی ہے۔(۱)

(۱۷) تَرمِی الغُیُوبَ بِعَیْنَی مُفرَدٍ لَهِقٍ
إذا تَوَقَّدَتِ الحِزّازُ وَالمِیلُ

(۱۸) ضَخمٌ مُقَلَّدُهَا عَبلٌ مُقَیَّدُهَا
فِی خَلقِهَا عَن بَنَاتِ الفَحلِ تَفضِیلُ

ترجمہ: "وہ ان دیکھی راہ کو اجلے رنگ کے بیلوں کی آنکھوں سے دیکھتی ہے، جب اس کے سامنے ریت کے تودے اور اونچے ٹیلے نظر آتے ہیں۔"

ترجمہ: "اس کی گردن بھاری ہے، اس کے قدم مضبوط ہیں، اس کی بناوٹ سانڈنیوں سے بڑھ کر بھاری بھرکم ہے۔"

تبصرہ: پہلے شعر میں "ترمی" کے بجائے بعض نسخوں میں "تری" کا لفظ وارد ہے، مترجم نے اس شعر کی تشریح کے دوران لکھا ہے کہ "ترمی" کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں، یعنی یہ اونٹنی ان دیکھے راستے اور اندھے موڑ کی طرف بھی چلنے کی ہمت کرتی ہے اور اپنا راستہ دیکھ لیتی ہے۔" لیکن محقق کے علم کے مطابق "ترمی" کا استعمال جب بصر یا عین (آنکھ و نگاہ) کے ساتھ ہو تو اس سے نگاہ دوڑانے کا معنی مستفاد ہوتا ہے، ارادہ یا قصد نہیں، مطلق "رمی" سے قصد و ارادہ کا معنی ہی مستفاد ہوتا ہے۔

(۱۹) غَلبَاءُ وَجنَاءُ عُلکُومٌ مُذَکَّرَةٌ
فِی دَفِّهَا سَعَةٌ قُدَّامُهَا مِیلُ

ترجمہ: "اس اونٹنی کی گردن موٹی، اس کے تھوتھنے بھاری، مادہ

ہوتے ہوئے نر کے مشابہ گردن کا نچلا حصہ چوڑا اور اس کی ٹانگیں لانبی ہیں۔"

تبصرہ: اس میں "میل" کا مجازی ترجمہ کیا ہے، کیونکہ "میل" کے معنی دو فرسخ کی مسافت ہے جو اس کے وسیع وعریض ہونے پر دال ہے، اس لئے مترجم نے "لانبی" کا ترجمہ کیا ہے۔

(۲۰) وَجِلْدُهَا مِنْ أُطُومٍ لَا يُؤَيِّسُهُ
طِلْحٌ بِضَاحِيَةِ الْمَتْنَيْنِ مَهْزُولُ

ترجمہ: "اس اونٹنی کی کھال (بہت چکنی اور سپاٹ ہونے کی وجہ سے) بحری کچھوے کی مانند ہے، س کے جسم کے ان حصوں کو جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں کلنی یا چچڑی اپنے قابو میں نہیں کر سکتی یا کمزور نہیں کر سکتی۔"

تبصرہ: یہاں "ضاحة المتين" (جسم کے وہ حصے جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں) سے مراد "اونٹ کے اگلے دونوں قدم کا بالائی حصہ جس پر دھوپ پڑتی ہے" ہے، ترجمہ کرتے وقت اس کی اگلی دونوں ٹانگوں کے بالائی حصے پر کلنی نہیں لگ پاتی یا اسے کمزور نہیں کر سکتی ہے۔ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے بلکہ "اس کے دونوں شانے پر "ضاحة المتين" کا مزید واضح تعبیر ہو سکتی ہے۔

(۲۱) حَرْفٌ أَخُوهَا أَبُوهَا مِنْ مَهْجَنَةٍ
وَعَمُّهَا خَالُهَا قَوْدَاءُ شِمْلِيلُ

ترجمہ: "پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح مضبوط ایک اصیل قوی اونٹنی سے اس کا وجود عمل میں آیا ہے، اس کا بھائی اس کا باپ ہے، اس کا چچا وہی ہے جو اس کا ماموں ہے، اس کی پیٹھ چوڑی لانبی ہے اور وہ خود تیز گام ہے۔"

تبصرہ: اس شعر میں اونٹنی کی اچھائی واصلیت کا راز بتایا گیا ہے اور اپنے قریبی خون ودودھ کے رشتے داروں سے مل کر وجود پانے والی اونٹنی کو اصیل نسل کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ "حرف من مهجنة" کا ترجمہ "پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح مضبوط

ایک اصیل قوی اونٹنی ہے" اس کا وجود عمل میں آیا ہے، کرنا اطناب سے خالی نہیں، اس کا سادہ اور سلیس ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے۔ "پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح اس کا وجود سخت اور مضبوط ہے۔"

(۲۲) يَمْشِى الْقُرَادُ عَلَيْهَا ثُمَّ يُزْلِقُهُ
مِنْهَا لَبَانٌ وَ أَقْرَابٌ زَهَالِيْلُ

ترجمہ: "اس اونٹنی کے جسم پر کلنی (چموکن) چلتی ہیں تو اس کا سینہ اور اس کے کولہے ان کو پھسلا کر گرا دیتے ہیں۔"

تبصرہ: "يمشى القراد عليها ثم يزلقه" کا ترجمہ کلی طور پر تعبیر کا ساتھ نہیں دے رہا ہے، اس کی درست تعبیر یوں ہو سکتی ہے کہ "اس کے جسم پر کلنیاں چڑھتی تو ہیں پر اس کا سینہ........الخ"

(۲۳) عَيْرَانَةٌ قُذِفَتْ بِالنَّحْضِ عَنْ عُرُضٍ
مِرْفَقُهَا عَنْ بَنَاتِ الزَّوْرِ مَفْتُوْلُ

ترجمہ: "وہ اونٹنی حمار وحشی یعنی جنگل میں آزاد، تیز رو گاؤخر کی طرح ہے، ہر طرف سے پر گوشت ہے، اس کی کہنی اس کے سینے کی ہڈیوں (پسلیوں) سے دور ہے۔"

تبصرہ: اس شعر میں اونٹنی کو نیل گائے سے تشبیہ دی ہے، جس کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ "عيرانة" کا ترجمہ (وہ اونٹنی حمار وحشی یعنی جنگل میں آزاد، تیز رو گاؤخر کی طرح ہے) میں اطناب ہے، اس کا سادہ سا ترجمہ یہ ہو سکتا تھا کہ "وہ اونٹنی نیل گائے کی طرح ہے۔"

(۲۴) كَأَنَّمَا فَاتَ عَيْنَيْهَا وَمَذْبَحَا
مِنْ خَطْمِهَا وَمِنَ اللَّحْيَيْنِ بِرْطِيْلُ

ترجمہ: ""گویا اس کے چہرے کا وہ حصہ جو اس کے منہ اور ناک سے لے کر اس کی آنکھوں تک ہے اور اس کی نکیل کی جگہ سے لے کر اس کی جبڑوں تک ہے وہ ایک لوہے کے بنے ہوئے آرے کی مانند ہے۔""

تبصرہ: اس شعر میں ""فـات"" کا لفظ آیا ہے، جبکہ ایک دیگر روایت میں ""قاب"" کا لفظ بھی وارد ہے۔ ""فـات اور قـاب"" دونوں کے اعتبار سے اس کے مفہوم میں قدرے فرق پایا جاتا ہے، چنانچہ ""فـات"" کے مطابق اس کا ترجمہ ہوگا ""ان اجزائے جسم کا فاصلہ آہنی آلہ ہے"" اور ""قـــاب"" کی صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ""اس کی آنکھوں اور گردن تک فاصلہ اور اس کی ناک اور جبڑے تک کا حصہ فولادی ہے۔

(۲۵) تُـمِرُّ مِثْلَ عَسِيْبِ الـنَّـخْلِ ذَا خُـصَـلٍ
فِـىْ غَـارِزٍ لَـمْ تَـخَـوَّنْـهُ الأَحَـالِيْلُ

ترجمہ: ""وہ اپنی دم کو جو شاخِ نخل (کھجور کی ٹہنی) کی مانند لانبی ہے اور جس پر بالوں کے گچھے ہیں، اپنے ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دودھ دینے میں کمی نہیں کی۔""

تبصرہ: اس کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ مترجم نے اس کی تفہیم بھی بیان کی ہے اور لکھتے ہیں ""مطلب یہ ہے کہ اس کی دم لانبی ہے اور دم کے بال گھنے ہیں اور اپنے تھن کو وہ دم سے جھاڑتی رہتی ہے تا کہ اس پر مکھی نہ بیٹھے۔

""ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دودھ دینے میں کمی نہیں کی ہے۔""

(۲۶) قَـنْـوَاءُ فِـىْ حَـرَّتَيْـهَـا لِـلْـبَـصِـيْـرِ بِـهَـا
عِتْـقٌ مُبِيْـنٌ وَ فِـى الْـخَـدَّيْـنِ تَسْهِيْـلُ

ترجمہ: ""اس اونٹنی کی ناک گاؤ دم ہے، اونٹوں کے معاملے میں لوگ صاف نظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس کے دونوں کان کھلے ہوئے اصیل اور خاندانی ہونے کی دلیل ہیں اور اس کے رخسار میں نرمی ہے۔""

تبصرہ: "عتق مبین" کا ترجمہ (اس کے دونوں کان کھلے ہوئے ہیں) لیکن "اصیل اور خاندانی ہونے کی دلیل ہیں" کو بین القوسین میں ہونا چاہیے کیونکہ یہ زائد ہے۔

(۲۷) تَخْدِی عَلٰی یَسَرَاتٍ وَهِیَ لَاحِقَةٌ
ذَوَابِلٍ مَسُّهُنَّ الْأَرْضَ تَحْلِیلُ

ترجمہ: "یہ اونٹنی اپنے ہلکے اور سبک پیروں سے دوڑتی ہے، وہ پاؤں جو خشک لکڑی کے بنے ہوئے نیزوں سے زیادہ سخت ہیں اور وہ ان اونٹوں سے جا ملتی ہے جو آگے جا چکے ہیں اور اپنی تیز رفتاری سے اس طرح چلتی ہے کہ زمین پر اس کے پاؤں بس قسم کھانے کے لئے پڑتے ہیں۔"

تبصرہ: "وھی لاحقة" کے بجائے بعض روایت میں "وھی لاھیة" وارد ہے، (۱) جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اونٹنی جب بے پروائی سے بھی چلتی ہے تو اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ زمین پر اس کے پاؤں بس برائے نام ہی پڑتے ہیں۔

پہلے ترجمے میں "اس کے پاؤں بس قسم کھانے کے لئے پڑتے ہیں" "تحلیل" "قسم کھانے کو کہتے ہیں"، لیکن یہ تعبیر اردو میں مانوس نہیں، یہ تو عربی زبان کا اسلوب ہے، اسے اردو میں "برائے نام" کہہ سکتے ہیں۔ یہ تعبیر مناسب ہے۔

(۲۸) سُمْرُ الْعُجَایَاتِ یَتْرُکْنَ الْحَصٰی زِیَماً
لَمْ یَقِهِنَّ رُؤُسَ الْأُکْمِ تَنْعِیلُ

ترجمہ: "اس اونٹنی کے کھر سیاہی مائل ہیں (اور اس درجہ سخت ہیں کہ) پہاڑیوں کے بالائی حصہ پر جہاں پتھر ناہموار ہوتے ہیں اور جس پر چلنے کے لئے اونٹوں کے نعل کافی نہیں ہوتے وہاں کے پتھروں کو یہ اپنی چال سے بکھیر دیتی ہے۔"

یہاں مترجم نے بین القوسین کا بجا استعمال کیا ہے۔

---

(۱) شیخ اسماعیل پنہائی کے مجموعہ میں "وھی لاھیة" مذکور ہے، بحوالہ 'ردائے رحمت' ص: ۳۷

(۲۹) كَـأَنَّ أَوْبَ ذِرَاعَيْهَـا إِذَا عَـرِقَـتْ
وَقَـدْ تَـلَـفَّـعَ بِـالْـقُـورِ الْـعَسَـاقِيْلُ

(۳۰) يَـوْمـاً يَظَلُّ بِـهِ الْحِـرْبَاءُ مُصْطَخِـداً
كَـأَنَّ ضَـاحِيَـهُ بِـالشَّمْسِ مَمْلُولُ

(۳۱) وَقَـالَ لِـلْقَومِ حَـادِيهم وَ قَـدْ جَعَلَتْ
وُرْقُ الْجَنَادِبِ يَرْكُضْنَ الْحَصىٰ قِيْلُوا

(۳۲) شَـدَّا الـنَّهَـارِ ذِرَاعَـا عَيْطَلٍ نَـصَفٍ
قَـامَـتْ فَجَـاوَبَهَـا نُكْدٌ مَثَـاكِيْلُ

جیسا کہ ہم دیکھ رہے کہ پہلے شعر میں ’’کَـأَنَّ‘‘ (گویا کہ) کا جواب آخری شعر میں ہے، اس لئے ایک ساتھ ترجمہ وتشریح ہونا چاہیے۔

مترجم نے مشکل الفاظ کی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

ترجمہ: ’’جب تیز گامی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے یہ اونٹنی پسینہ سے بھیگ جاتی ہے اور گرمی کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں سراب سے ڈھک جاتی ہیں اور ایسی سخت گرمی جس میں گرگٹ جیسا جانور جو گرمی کا عادی ہے وہ بھی بھن جائے اور جس وقت گرمی کی شدت سے بیابانی خاکستری رنگ کی ٹڈیاں جلتے ہوئے پتھروں پر پاؤں مارتی ہوں اور اس وقت وہ اونٹنی اتنی تیزی سے اپنے پیر پیٹ کی طرف پھرتی ہے جیسے ایک پختہ عمر کی عورت اپنی اولاد کے مرنے پر زور زور سے سینہ کوبی کرتی ہو اور اس کو دیکھ کر دوسری خواتین بھی جو اولاد کا غم اٹھا چکی ہیں اپنے سینے پر تھپیڑے مارتی ہیں۔‘‘

تبصرہ: مترجم نے ترجمے سے زیادہ تفہیم وتشریح پر زور دیا ہے، چنانچہ (جب تیز گامی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے یہ) حصہ زائد ہے۔

یہ ترجمہ بھرپور تفہیم سے عبارت نہیں، بلکہ سیاق وسباق کو دیکھے بغیر ان اشعار کا سمجھ میں آنا مشکل ہے، ان چاروں اشعار کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مترجم رقمطراز ہیں:

''سخت ترین گرمی لو کی شدت میں یہ اس طرح دوڑتی ہے جیسے کوئی مضبوط ہاتھ پاؤں کی عورت تابڑتوڑ اپنے سینے پر ہاتھ مار رہی ہے۔''

(۳۳) نَوَّاحَةٌ رِخْوَةُ الضَّبْعَيْنِ لَيْسَ لَهَا
لَمَّا نعى بِكْرَهَا النَّاعُونَ مَعْقُولُ

ترجمہ: ''اس اونٹنی کے اگلے پاؤں کی حرکت ایسی تیز ہے جیسے) اس نوحہ خواں کے ہاتھوں کی حرکت جس کے دونوں بازو نرم ہوں اور اس وقت جب کہ اس کی پہلوٹی اولاد کے فوت ہونے کی خبر اس کو سنائی گئی ہو تو وہ بندش میں نہ ہو۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تیز رفتاری میں اس اونٹنی کے اگلے پاؤں یوں جلدی جلدی حرکت کر رہے ہیں جیسے وہ کسی ایسی نوحہ گر خاتون کے ہاتھ ہوں جسے ناعی نے اس کی پہلوٹی اولاد(کی موت کی خبر سنائی ہو اور جسے سن کر وہ سینہ کوبی پر اتر آئی ہو اور اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہوں کوئی ان ہاتھوں کو سینے پر مارنے (سینہ کوبی) سے روکنے اور منع کرنے والا نہ ہو۔

تبصرہ: ''لیس لہا معقول'' کا مطلب ہے، جو بندش میں نہ ہو، یعنی اس کے ہاتھ آزاد ہوں، یہ مفہوم زیر بحث مترجم نے لیا ہے لیکن بعض اردو کے مترجمین نے یہ مطلب لیا ہے کہ جس کی عقل جاتی رہی ہو، لیس لہا معقول، یعنی مفعول بمعنی فعل، معقول بمعنی عقل لیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

یہاں اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ نحوی حضرات نے ''نواحۃ'' کو مرفوع، منصوب اور مجرور تینوں طرح سے پڑھا ہے، مرفوع مبتدا کی وجہ سے اس سے پہلے

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت' ص:۳۹

"ھی" محذوف مانا جائے گا، منصوب اس سے پہلے "اعنی "فعل یا فاعل محذوف ماننے کی وجہ سے اور مجرور گزشتہ شعر کے لفظ "عیطل" کی صف مان کر، تاہم مبتدا زیادہ صحیح ہے۔

(۳۴) تَفرِی اللَّبَانَ بِکَفَّیۡهَا وَ مِدۡرَعُهَا
مُشَقَّقٌ عَنۡ تَرَاقِیۡهَا رَعَابِیۡلُ

ترجمہ: "وہ غمزدہ عورت اپنی ہتھیلیوں سے اپنے سینے کو کوٹ رہی ہے اور اس کا گریبان پارہ پارہ ہو گیا، اس کے سینے کا بالائی حصہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔"

تبصرہ: اس میں اونٹنی کی تیز گامی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلسل بے تکان اپنے سینے پر تابڑ توڑ تھپڑ مار رہی ہے جس طرح ہماری اونٹنی ہر حال میں تیز تیز قدم اٹھایا کرتی ہے۔

(۳۵) تَسۡعَی الوُشَاةُ جَنَابَیۡهَا وَقَوۡلُهُمۡ
إنَّکَ یَا ابۡنُ أبِی سُلۡمیٰ لَمَقۡتُوۡلُ

قصیدے کا اصل گریز یہاں سے شروع ہو رہا ہے، محبوبہ کی تعریف اور اس کے فراق میں بروئے کار لائی جانے والی اونٹنی کے اوصاف اور خوبیوں کا ذکر کرنے کے بعد یہاں سے شاعر کا اصل مدعا شروع ہو رہا ہے، اس کے بعد والے اشعار میں شاعر نے اپنے بارے میں گرم افواہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کی آڑ لیتے ہوئے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ معذرت پیش کی ہے، پھر رحمت دو عالمؐ کی مدحت سرائی کی ہے۔ مذکورہ شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

ترجمہ: "لگائی بجھائی کرنے والے اونٹنی کے دونوں جانب دائیں بائیں دوڑ رہے ہیں اور انکا کہنا ہے کہ اے ابو سلمیٰ کے فرزند! تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔"

تبصرہ: یہاں "جنابیھا" (کنارے کنارے) ہے جب کہ بعض نسخوں میں "جانبیھا" بھی آیا ہے۔ مترجم نے "جنابیھا اور جانبیھا"

دونوں کا ترجمہ کردیا ہے۔ ''وشاۃ'' کا ترجمہ ''لگائی بجھائی کرنے والے'' کیا ہے۔ بعض دیگر مترجم نے ''چغلخور'' ترجمہ کیا ہے۔

(۳۶) وَقَالَ كُلُّ خَلِيلٍ كُنْتُ آمُلُهُ
لَا أُلْهِيَنَّكَ إِنِّي عَنْكَ مَشْغُولُ

ترجمہ: ''اور ہر محبِّ صادق جس سے میں توقع کرسکتا تھا کہ وقت مصیبت کام آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں تم کو بہلاوا نہیں دیتا ہوں تم سے جو ہوسکتا ہے کرگزرو، مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہیں جن میں میں مشغول ہوں۔''

تبصرہ: ''قال'' فعل ماضی ہے، تاہم مترجم نے ''یقول'' (مضارع) کا ترجمہ کیا ہے، جو اردو زبان وبیان کی روح کے موافق بھی ہے۔ ''لا ألهينك إني عنك مشغول'' کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''وہ کہتا ہے کہ میں تم کو بہلاوا نہیں دیتا ہوں تم سے جو ہوسکتا ہے کرگزرو، مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہیں جن میں میں مشغول ہوں'' اس میں سلاست نہیں ہے نیز شعر کی بھرپور ترجمانی بھی نہیں ہوتی ہے، اس کی بہتر تعبیر یہ ہوسکتی ہے ''میں ٹال مٹول کر کے تمہیں پھنسا کر رکھنا نہیں چاہتا (تم اپنی گلوخلاصی کا راستہ خود ڈھونڈو) مجھے تمہارے بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ہے''۔ ''إني عنك مشغول'' کا یہ ترجمہ ''مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہیں جن میں میں مشغول ہوں'' عربی زبان کی روح سے قریب تر بھی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے ''هو شغل عني'' وہ میرے بارے میں نہیں سوچتا، قرآن میں بھی ہے ''وهم في شغل'' انہیں بے پرواہ سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کا یہ ترجمہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ کام میں مصروف ہیں۔

(۳۷) فَقُلْتُ خَلُّوا سَبِيلِي لَا أَبَا لَكُمُ
فَكُلُّ مَا قَدَّرَ الرَّحْمٰنُ مَفْعُولُ

ترجمہ: ''میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دو اے مجہول النسب لوگو! خدائے رحمان نے جو فیصلہ کردیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔''

تبصرہ: یہاں ”لا أبالکم“ کا ترجمہ ”اے مجہول النسب لوگو!“ کیا ہے۔ اس کا لفظی معنی ”اے وہ جس کا باپ نہیں“ یا ”تیرا باپ مرے“ کیا ہے، یہ ایک گالی ہے۔ حالانکہ یہاں شاعر کا مقصود گالی دینا نہیں ہے۔ عربی زبان میں اس قسم کی کئی تعبیریں استعمال ہوتی ہیں خود رسول پاکؐ ایک حدیث میں ”تربت یداك“ استعمال کیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے ”تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں“ یہ بددعا ہے اور سرکار دو عالمؐ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انہوں نے اپنے صحابی کو بددعا دی ہے، یہ آپ پر الزام اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دراصل عربی زبان وادب کی نزاکتوں کو سمجھنے والے ان جملوں کا حقیقی مفہوم نہیں مراد لیتے ہیں بلکہ انہیں مہمل جملے سمجھتے ہیں، خود ہماری زبان اردو میں اس قسم کی تعبیریں رائج ہیں ایک اردو کے بڑے ادیب کے بارے میں نیاز فتحپوری نے لکھا کہ جب انہوں نے داغ دہلوی کا فلاں شعر سنا تو بے ساختہ کہا...... کمبخت خوب تھا۔ اسی طرح اردو میں ”کمبخت“ کا لفظ ہے، جو زبان زد عام وخاص جملہ ہے، اسے لوگ اپنے بچوں اور عزیزوں کو بھی بول دیتے ہیں لیکن ان کے دل میں کمبخت کا مفہومی مقصد ہرگز نہیں کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے ”اے وہ جس کی قسمت خراب ہو جائے“ کوئی شخص اپنے عزیز کو اس قسم کی بددعا نہیں دے سکتا۔

(۳۸) سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَعِيشْ
ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَالَكِ يَسْأَمُ

ترجمہ: ”زندگی کی الجھنوں سے اکتا گیا ہوں اور جو بھی اسّی سال جیے گا (تیرا باپ نہ ہو) اکتا ہی جائے گا۔“

تبصرہ: یہاں بھی ”لا أبالک“ کا حقیقی مفہوم نہیں مراد ہے، تکالیف کا ترجمہ ”الجھنوں“ سے کیا ہے، جبکہ ”تکالیف“ کا لفظی معنی ہوتا ہے ”اخراجات“ زندگی کے اخراجات سے مراد دوڑ بھاگ“ ہے، اس لئے ”دوڑ بھاگ“ یہاں زیادہ مناسب ہوگا۔

(۳۹) كُلُّ ابْنِ أُنْثَىٰ وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهُ
يَوْماً عَلَىٰ آلَةِ الْحَدْبَاءِ مَحْمُولُ

ترجمہ: ''ہر وہ شخص جس کو کسی نے جنم دیا ہے وہ خواہ جس قدر بھی عمر پائے ایک نہ ایک دن جنازہ کی پلنگ پر اٹھایا ہی جائے گا۔''

تبصرہ: یعنی میں زندگی کی گردشوں اور الجھنوں سے اس کی دوڑ بھاگ سے اکتا چکا ہوں، زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا، اگر میں گردن زدنی بھی ٹھہرا تو بھی مجھے کچھ ڈر نہیں، کیونکہ ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے وہ ضرور مرے گا گرچہ اسے لمبی زندگی ہی کیوں نہ نصیب ہو۔

(۴۰) أُنْبِئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَوْعَدَنِي
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ مَأْمُولُ

ترجمہ: ''مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھے دھمکی دی ہے، لیکن بخشش و درگزر کی رسول اللہ سے توقع قائم ہے۔''

تبصرہ: یہاں سے معذرت اور مدح کا اصل موضوع شروع ہو رہا ہے۔ ''والعفو'' میں ''واو'' کو ''پر'' کے معنی میں لینا زیادہ مناسب ہے۔ یعنی یہ ترجمہ ہوگا کہ ''میں نے سنا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھمکی دی ہے پر مجھے رسول پاکؐ سے عفو و درگزر کی بھرپور امید ہے۔

(۴۱) فَقَدْ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ مُعْتَذِراً
اَلْعُذْرُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ مَقْبُولُ

ترجمہ: ''یا رسول اللہؐ! میں آپ کی خدمت میں معذرت خواہ بن کر آیا ہوں اور عذر رسول اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔''

تبصرہ: ''والعذر عند رسول اللہ مقبول'' میں

''مقبول' کا ترجمہ کرنا بحث سے خالی نہیں، اردو میں ''مقبول'' اس معنی میں ہرگز نہیں استعمال ہوتا ہے جس معنی میں عربی زبان میں مستعمل ہے، اس کا بہتر ترجمہ یہ ہوسکتا ہے ''اور عذر رسول اللہؐ کے ہاں قبول ہوتا ہے'' یا ''اللہ کے رسول عذر قبول فرماتے ہیں''۔

(۴۲) مَهْلاً هَدَاكَ الَّذِى أَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْ
قُرْآنِ فِيهَا مَوَاعِيظٌ وَتَفْصِيلُ

(۴۳) لَا تَأْخُذَنِى بِأَقْوَالِ الوُشَاةِ وَلَمْ
أُذْنِبْ وإن كَثُرَتْ فِىَّ الأَقَاوِيلُ

دونوں اشعار کا باہم ارتباط اس لئے مترجم نے دونوں کا ترجمہ ایک ساتھ کردیا ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

ترجمہ: ''ذرا ٹھہریے آپ کو وہ (اللہ تعالیٰ) ہدایت دے جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ دیا ہے اور وہ قرآن جس میں معاش و معاد کی تفصیل ہے، لگائی بجھائی کرنے والوں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمایئے، درحقیقت میں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے اگرچہ میرے سلسلے میں بہت چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔

تبصرہ: مترجم نے ''هداك الّذى أعطاك'' کا گرچہ ترجمہ کیا ہے تاہم اسے تشریح کے دوران میں بے معنی قرار دیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں ''رہا یہ کہ شاعر آنحضرت کو دعا دے رہے ہیں، ''ہداک الذی أعطاک'' یہ بھی اس استثنائی فقروں میں سے ہے، جو کلام کا وزن پورا کرنے اور جملہ کو دلکش بنانے کے لئے کیا جاتا ہے، ورنہ ہادی بشریت کو ایک شخص ہدایت کی دعا دے جو خود معذرت نامہ لے کر توبہ کرنے آیا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تاہم یہ تاویل بے جا، اسلام میں دعا دینا اور لینا مسنون عمل ہے، اس میں چھوٹے بڑے کی تفریق مناسب نہیں ہے، بلکہ رسول پاکؐ نے جو سلام کے آداب سکھائے ہیں اس

میں ہر مسلمان دوسرے کو سلام کرتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۴۴) لَقَدْ أَقُومُ مَقَاماً لَوْ يَقُومُ بِهِ
أَرَىٰ وَأَسْمَعُ مَا لَوْ يَسْمَعُ الْفِيلُ

(۴۵) لَظَلَّ يَرْعَدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ
مِنَ الرَّسُولِ بِإِذْنِ اللَّهِ تَنْوِيلُ

ترجمہ: ''میں ایسی جگہ پر کھڑا ہوں کہ اگر یہاں پر کوئی ہاتھی کھڑا ہوتا اور جو میں دیکھ سن رہا ہوں وہ اگر دیکھتا سنتا تو وہ ہاتھی بھی خوف سے کانپ رہا ہوتا، الاّ یہ کہ اللہ کے حکم سے رسول اللہ نے اس کو بخشائش عطا کر دی ہوتی۔''

تبصرہ: اس شعر میں کعب نے اس تہدید کا ذکر کیا ہے جسے افواہ کاروں نے گرم کر رکھا ہے، اس میں ہاتھی کا نام آیا ہے جس کی وجہ سے اس شعر کے الحاقی ہونے کی بھی بات کہی گئی ہے۔(۱) جس پر یہ استحالہ پیش کیا گیا ہے کہ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں پایا جاتا تھا اس کے باوجود ہاتھی کا ذکر ہونا یہ شبہ ظاہر کرتا ہے کہ اس شعر کو بعد میں گڑھا گیا ہے، لیکن یہ بات عرب کے جغرافیائی حالات سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ عرب کے ریگستانوں اور صحراؤں میں نہ سہی لیکن یمن اور تہامہ کی پٹی میں موجود جنگلات میں ہاتھی کا وجود تھا، جسے حجاز و نجد کے علاقے کے لوگ دیکھا کرتے تھے، عراق عجم کے بعض معرکوں میں عرب عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئی جنگوں میں ہاتھیوں کا استعمال کیا تھا، ابرہہ کی فوج اس کی بہتر مثال ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ہاتھی عربوں کے لئے غیر مانوس نہ تھے۔

(۴۶) حتی وضعت یمینی لا أنازعه
فی کفّ ذی نقمات قیله القیل

مترجم نے اسے ''أقوم.....'' سے مربوط قرار دیا ہے اور آپؐ کے روبرو حاضر

---

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت'، ص:۴۶

ہونے کے بعد کعب نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

ترجمہ: ''اور اپنا داہنا ہاتھ آپ کے کف دست میں رکھ دیا جو مجھ سے ناراض تھے اور انتقام لینے کی پوری قدرت رکھتے تھے اور جن کا فرمان نافذ العمل ہے۔''

تبصرہ: اس میں ''لا أنازعہ'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے احکامات (ارڈیننس) پر چوں چرا نہیں کرتا، اس طرح ''ذی نقمات'' کے ترجمے میں عام مترجمین کے روشنی سے ہٹ کر یہ ترجمہ کیا ہے ''جو مجھ سے ناراض تھے اور انتقام لینے کی پوری قدرت رکھتے تھے'' کیوں کہ ''نقم'' میں ناراضگی کے ساتھ انتقام کا جذبہ پیوست ہوتا ہے، عام مترجمین صرف ''جو انتقام لینے والے ہیں'' کہتے ہیں جو ناقص ہے۔

(۴۷) لَـذَاكَ أَهْيَـبُ عِـنْـدِي إِذْ أُكَـلِّـمُـهُ
وَقِـيـلَ إِنَّـكَ مَـنْـسُـوبٌ وَمَـسْـئُـولُ

ترجمہ: ''لہٰذا وہ ذات گرامی جن سے میں مخاطب ہوں اور جب مجھ سے کہا جائے گا تم سے ایسی باتیں منسوب ہیں اور تم اس کے ذمہ دار ہو تو آپ میرے نزدیک زیادہ بارعب اور ہیبت وجلال رکھنے والے ہیں۔''

تبصرہ: یہ ترجمہ سلیس اور رواں نہیں ہے۔ لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ یہ ادبی شہ پارہ ہے جس کا ترجمہ بہر حال ادبی ہونا چاہیے اور آزاد ترجمے کی تکنیک بروئے کار لانا چاہیے، اس کا سلیس ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے ''لہٰذا جب میں ان سے گفتگو کرتا ہوں اور (میرے بارے میں) یہ کہی جاتی ہیں تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہی جاتی ہیں اور تم (فلاں فلاں جرم کے) ذمہ دار ہو تو آپ زیادہ ہیبت ناک مجھے دکھائی دیتے ہیں۔

(۴۸) مِـنْ خَـادِرٍ مِـنْ لُيُـوثِ الأُسْـدِ مَـسْـكَـنُـهُ
مِـنْ بَـطْـنِ عَثَّـرَ غِيـلٌ دُونَـهُ الغِيَـلُ

ترجمہ: ’’اس شیر سے جو اپنے کچھار میں چھپا ہوا اور وہ ان شیروں میں ہو جو عثر (نامی مقام) کے بھٹ میں ہو اور بھٹ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ہو اور اس کے پیچھے بھی ایک جھنڈ ہو۔‘‘

تبصرہ: اس میں ’’غیل دونه الغیل‘‘ کے ذریعہ جھاڑی کی کثافت کی طرف اشارہ کیا ہے جو شیر کی خوفناکی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

(۴۹) یَغْدُو فَیُلْحِمُ ضِرْغَامَیْنِ عَیْشُهُمَا
لَحْمٌ مِنَ الْقَوْمِ مَعْفُورٌ خَرَادِیْلُ

ترجمہ: ’’وہ شیر جو صبح سویرے نکلتا ہے تاکہ اپنے دو شیر بچوں کو گوشت کی خوراک دے (کیونکہ) ان کی خوراک لوگوں کا گوشت ہے جو زمین پر ٹکڑے کر کے رکھا ہوا ہو۔‘‘

تبصرہ: یہاں ’’دو شیر بچوں‘‘ میں ’’شیر‘‘ کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ترجمے میں نقص بھی پیدا کرتا ہے۔ ’’قوم‘‘ کا ترجمہ ’’لوگوں‘‘ سے کرنا بھی اعتراض سے بالاتر نہیں کیونکہ اس سے مقصود انسانوں کا گوشت ہے۔ انسانوں یا آدمیوں یا آدم زادوں کا گوشت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

(۵۰) إذَا یُسَاوِرُ قِرْناً لاَ یَحِلُّ لَهُ
أنْ یَتْرُكَ القِرْنَ إلاَّ وَهُوَ مَجْدُولُ

ترجمہ: ’’ایسا شیر جو اپنے مقابل سے برسرِ پیکار ہو، تو اس کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کو بغیر پچھاڑے ہوئے چھوڑ دے۔‘‘

تبصرہ: ’’لا یحل له‘‘ کا ترجمہ ’’اس کے لئے حلال نہیں‘‘ لیکن اس سے بہتر ترجمہ ’’اس کی شایان شان نہیں ہوتا‘‘ ہے۔ جس کی طرف خود مترجم نے تشریح میں اشارہ بھی کیا ہے۔ (۱)

---

(۱) بحوالہ ’ردائے رحمت‘ ص: ۴۷

(۵۱) مِنْـهُ تَظَلُّ سِبَاعُ الجَوِّ ضَامِرَةً
وَلاَ تُمَشِّي بَوَادِيهِ الأَرَاجِيلُ

ترجمہ: ''اس شیر کی دہشت سے دوسرے وادی کے شیروں کے پیٹ پچکے ہوئے رہتے ہیں، یعنی بھوکے رہ جاتے ہیں اور اس کی وادی میں کسی کو چلنے کی ہمت نہیں ہوتی۔''

تبصرہ: اس میں رسول پاک کو ہیبت ناک شیر سے تشبیہ دینے کے بعد اس شعر کی خصوصیات اور ہیبت ناکی کا بیان ہے، جس کی دہشت سے نہ صرف وادی کے دیگر شیر اپنے کچھاروں سے نہیں نکلتے اور بھوکوں سے رہتے ہیں بلکہ کسی آدم زاد شکاری کے پاؤں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی۔

(۵۲) وَلاَ يَزَالُ بَوَادِيهِ أَخُو ثِقَةٍ
مُطَرَّحَ الْبَزِّ وَالدِّرَاسَانِ مَأْكُولُ

ترجمہ: ''اور اس شیر کی وادی میں ہمیشہ بڑے بہادروں کے ہتھیار اور مستعمل لباس چبائے ہوئے پڑے رہتے ہیں۔''

یعنی اگر غلطی سے کوئی شکاری ادھر پھٹک بھی جاتا ہے یہ شیر اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیتا ہے۔

(۵۳) إِنَّ الرَّسُولَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سيوفِ اللهِ مَسْلُولُ

ترجمہ: ''بلاشبہ رسول اللہ صلعم ایک شمشیر ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ شمشیر جو ہندی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی تلوار جو نیام سے نکلی ہوئی ہے۔''

تبصرہ: اس میں ''مھند'' یعنی Made in India یا ہندوستانی لوہے سے تیار کی گئی ہے۔ ''من سیوف الله مسلول'' کا ترجمہ ''اللہ کی

شمشیر بے نیام مزید حسن پیدا کر سکتا تھا، اور اس سے ترجمے میں جان پیدا ہو سکتی تھی۔

(۵۴) فِی فِتْیَةٍ مِنْ قُرَیْشٍ قَالَ قَائِلُهُم
بِبَطْنِ مَكَّةَ، لَمَّا أَسْلَمُوا زُولُوا

ترجمہ: ''وہ قریش کے جوانہیں میں سے یا قریش کی جماعت میں ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یہاں سے کوچ کرو۔''

تبصرہ: ''فی فتیة'' کا متعلق کون ہے؟ مترجم کے ترجمے کے مطابق قائل ہے، ''ببطن مكة'' کا ترجمہ ندارد ہے۔ اس ترجمے میں قدرے غموض پایا جاتا ہے، اس کا واضح ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ قریش مکہ کے نوجوانوں کی ٹولی میں ایک شخصیت ایسی ہے کہ جب وہ (اہل مکہ) ایمان لائے تو انہوں نے کہا ہجرت کر جاؤ۔ اس شخص سے حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، کیونکہ آپؓ ہی نے ہجرت کا مشورہ دیا تھا، بعض لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا ہے۔

(۵۵) زَالُوا فَمَا زَالَ انْكَاسٌ وَلَا كُشُفٌ
عِنْدَ اللِّقَاءِ وَلَا مِيلٌ مَعَازِيلُ

ترجمہ: ''یہ لوگ ہجرت کے لئے کوچ کر گئے، لیکن ان لوگوں نے ہجرت نہیں کی جو کمزور تھے، دشمن سے مقابلہ کے وقت جن کے پاس ڈھال نہ تھی اور جن کے پاس تلواریں نہ تھیں، نہتے بے ہتھیار کے تھے۔''

یعنی اکثر لوگوں نے ہجرت کر لی جو کمزور لوگ تھے نہتے اور نادار تھے، وہی بچ گئے تھے تاہم اگر رزم حق و باطل کی بات آئی تو یہ بچے کھچے لوگ تیر و تفنگ کے سامنے بھی خائف نہیں ہوتے تھے۔ ان اشعار میں صحابہ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۵۶) شُمُّ الْعَرَانِينِ أَبْطَالٌ لَبُوسُهُم

مِــنْ نَسْــجِ دَاؤُدَ فِــی الْهَیْجَــا سَــرَابِیْــلُ

ترجمہ: ''بڑی ناک والے، جنگ کے مردمیدان، معرکہ میں ان کا لباس حضرت داؤد کا ''خود'' اور ''زرہ'' ہے۔''

تبصرہ: بڑی ناک سے مراد صحابہ کرام کی پروقار شخصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''خود'' کا ترجمہ زائد ہے، ''سرابیل'' ''زرہ'' کو کہا جاتا ہے۔

(۵۷) بِیْــضٌ سَــوَابِــغُ شُــكَّــتْ لَهَــا حَــلَــقٌ
كَــأَنَّهَــا حَــلَــقُ الْــقَــفْــعَــاءِ مَجْدُوْلُ

ترجمہ: ''(ان صحابہ کرام کے جسم پر جو زرہیں ہیں) وہ صاف اور چمکدار ہیں، پورے جسم کو ڈھانپنے والی ہیں، ان کے حلقے ایک دوسرے سے پیوست ہیں گویا کہ ''قفعاء'' نامی پودے کے حلقوں کی طرح گتھے ہوئے ہیں۔''

تبصرہ: گویا کہ'' کے بجائے'' ''مانو'' سے ترجمہ میں زیادہ حسن پیدا ہوسکتا تھا۔

(۵۸) لَا یَــفْــرَحُــوْنَ إِذَا نَــالَــتْ رِمَــاحُــهُــمْ
قَــوْمــاً وَلَیْسُــوا مَــجَــازِیْــعــاً إِذَا نِیْــلُــوا

ترجمہ: ''(صحابہ کرامؓ) کے نیزے اگر نشانے پر لگ جاتے ہیں یعنی دشمن پر وار کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو گھمنڈ نہیں کرتے اور اگر ان پر دشمن کا وار چل جاتا ہے تو جزع فزع نہیں کرتے۔''

تبصرہ: ''یعنی دشمن پر وار کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو قوسین میں ہونا چاہیے، اسی طرح ''وار چلنا'' بھی حملہ کی کامیاب ہونے کے لئے درست تعبیر نہیں ہے۔ ''وار چلنا'' عام طور سے ''چال کے کارگر'' ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔

(۵۹) یَــمْــشُــوْنَ مَشْــیَ الــزُّهْــرِ یَــعْــصِــمُــهُــمْ

ضَـرْبٌ إذَا عَـرَّدَ السُّـودُ التَّـنَـابِيـلُ

ترجمہ: "وہ جب میدان جنگ میں چلتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سفید قسم کی اونٹ کی چال سے چل رہے ہیں اور ان کو بچانے والی شئے ان کے حملے ہوتے ہیں، ایسے گھمسان معرکہ کے موقع پر جب کہ کوتاہ قامت کالی رنگت والے لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔"

تبصرہ: "وہ جب میدان جنگ میں" کو قوسین میں ہونا چاہیے، قوسین کا عدل استعمال تشریح و تفہیم میں تو روا ہوسکتا ہے پر ترجمہ میں ایسا جائز نہیں، کیونکہ میں عبارت کے الفاظ سے قریب تر رہنا ضروری ہوتا ہے، ضروری تشریحات کے لئے قوسین کا استعمال ہوتا ہے۔ "ضــــرب" دراصل تلوار کی کاٹ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں مراد صحابہ کا مجموعی طور پر اپنے ہتھیاروں سے حملہ ہے۔ خواہ وہ تلوار کا حملہ ہو یا تیغ و تفنگ اور نیزے کا۔

یہاں پر قصیدے کے کل (۵۹) اشعار کا منثور ترجمہ پورا ہو جاتا ہے، گزشتہ صفحات میں ان کے تراجم کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ نحوی، صرفی، بلاغی و عروضی زاویوں سے بھی ان پر نظر ڈالی گئی ہے۔

اب اس کے بعد قصیدے کے منثور ترجمے کی خصوصیات پیش کی جارہی ہیں۔

نثری تراجم کی خصوصیات

گو کہ اردو زبان میں مولانا عبداللہ عباس ندوؔی کے ترجمہ وتشریح کے سوا کسی دیگر اردو ترجمے تک تلاش بسیار کے باوجود محقق کی رسائی نہ ہوسکی، تاہم اردو داں مترجمین کے عربی تراجم میں موجود بین السطور اور حواشی میں جو تشریح اور ترجمانی کی گئی ہے نیز ''ردائے رحمت'' میں جس اسلوب کو اپناتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، اس سے قصیدہ کے نثری اردو تراجم کا خاکہ ضروری طے کیا جاسکتا ہے، نیز تحقیق اور مطالعہ کے دوران ان نثری تراجم کی خصوصیات کا بھی تعین کیا جاسکتا ہے۔ زیر بحث تحقیقی کاز میں قصیدہ کے نثری اردو تراجم کے بارے میں جن خصوصیات تک ہماری رسائی ہوئی ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

قصیدہ کے اردو نثری تراجم میں الفاظ کی رعایت کافی حد تک کی گئی ہے۔ ان میں مترجمین کی کوشش یہی رہی ہے کہ الفاظ کا سایہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ قائم رہے۔

الفاظ کی رعایت کی وجہ سے کہیں کہیں ترجمہ کی سلاست پر ضربیں بھی پڑتی دکھائی دیتی ہیں، تاہم اتنا ضرور ہے کہ ایسا کر کے مترجم نقل معانی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے پر بلاغت اور ادبیت مجروح ہو جاتی ہے۔

منثور تراجم میں کہیں کہیں بعض ابیات کا ترجمہ تو کر دیا گیا ہے پر اس کا مفہوم بھرپور انداز میں منتقل نہیں ہو پایا ہے، اس لئے ترجمہ کے ساتھ تشریح کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ ان مترجمین نے صرف ترجمے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تفہیم اور تشریح بھی پیش کیا ہے، اسے ہم مترجمین کی کمزوری بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر قصیدہ کے اکیاونویں شعر کو لے سکتے ہیں، جو کچھ یوں ہے۔

إنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
وَصَارِمٌ مِنْ سُيُوفِ الهِنْدِ مَسْلُولُ

اس شعر کا ترجمہ عام طور سے اس طرح کیا جاتا ہے:

''رسول پاکؐ بلاشبہ ایک نور ہیں، جن سے اجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے۔''(۱)

اس ترجمہ سے شاعر کا اصل مدعا ظاہر نہیں ہو پاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

''رسول اللہؐ ایک نور ہیں جن سے اجالا حاصل کیا جاتا ہے اور وہ نور ایک مضبوط فولاد کی بے نیام تلوار کے مانند ہے''(۲)

جیسا کہ ردائے رحمت کے مؤلف مذکورہ شعر پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رسول پاکؐ بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے۔''(۳)

اس شعر کا ترجمہ عام طور سے انہی الفاظ میں کیا جاتا ہے، لیکن شعر کا حقیقی مفہوم اس سے ظاہر نہیں ہوا، یہ کہنا کہ آپؐ ہندی بے نیام تلوار ہیں، یا ایک تیز تلوار ہیں، کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ اس میں مدح کا پہلو واضح ہوتا ہے، شاعر حضور انورؐ کے چہرۂ مبارک کی نورانیت اور تابناکی کو بیان کرنا چاہتا ہے......تلوار جب میان سے کھینچی جاتی ہے تو اس کی چمک آنکھوں کو ایسی لگتی ہے جیسے تاریکی میں بجلی کی چمک ہو۔

جاہلی عصر کے شعراء روشنی کی تشبیہ آفتاب یا بجلی کی چمک ہی سے دے سکتے تھے۔ یہاں تلوار کی چمک سے چہرۂ انور کو تشبیہ دی گئی ہے۔ جس میں چاندی کی جیسی ایک روشنی ہوتی ہے۔ اس تشریح کے بعد شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ ''رسول اللہؐ ایک نور ہیں جن سے اجالا حاصل کیا

---

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت' ص:۱۶

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت' ص:۱۶

(۱) بحوالہ 'ردائے رحمت' ص:۱۶

جاتا ہے اور وہ نور ایک مضبوط فولاد کی بے نیام تلوار کی مانند ہے۔

اس طرح اردو مترجمین کے یہاں ترجمہ کے ساتھ ساتھ تفہیم وتشریح کی روایت بھی چلی ہے۔ ایک کامیاب مترجم مفہوم کو واضح کرنے کے لئے بین القوسین کا سہارا تو لے سکتا ہے لیکن مفہوم واضح کرنے کے لئے الگ پیرایے کا استعمال مترجم کی ترجمہ میں ناپختگی کی دلیل ہے۔

منظوم تراجم کی روایت

نقاد اور ادیبوں نے لکھا ہے کہ "نظم کا ترجمہ سرے سے کیا ہی نہیں جا سکتا ہے" شعر کا ترجمہ دشوار کن ہوتا ہے کیونکہ اس میں دریا کو نہیں بلکہ سمندر کو کوزہ میں بند کیا جاتا ہے۔ شعر کے ترجمے میں ایک مترجم کو کئی بنیادی باتوں پر دھیان دینا پڑتا ہے۔ مترجم کے لئے مصنف کے فلسفہ، طرز احساس، علمی لیاقت، نفسیاتی کیفیت اور اس کے فنی طریقۂ کار سے واقفیت ضروری ہے۔ مصنف کے عہد اور حالات سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ اسی طرح اس زبان کی تاریخ سے بھی واقفیت ضروری ہے جس زبان (Source Language) سے ترجمہ کرنا اور جس زبان (Target Language) میں ترجمہ کرنا ہے۔ زبان کے قواعد، ساخت اور صوتیات سے بھی واقفیت ہونی چاہیے۔ مترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے موضوع پر حاوی ہو، اس کے اصطلاحات، محاورے اور ضرب الامثال سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔

ان دشواریوں کے علاوہ زبانوں کے مختلف مزاج بھی شعر کے ترجمہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ایک یوروپی زبان سے دوسری یوروپی زبان میں شعر کا ترجمہ سہولت سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں ان کا مزاج اور ثقافتی خصوصیات کم وبیش ایک جیسی ہوتی ہیں جب کہ کسی بھی یوروپی زبان کے منظوم کلام کا ترجمہ کسی ایشیائی زبان میں اتنی سہولت اور صحت سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں زبانوں کے مزاج، اخلاقیات، ثقافتی خصوصیات اور مفردات میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے غیر ملکی زبان میں لکھی گئی شاعری کا شرحی ترجمہ ایک ایسے تجربہ کار اور ذمہ دار شخص کو کرنا چاہیے جو دوسری زبان کی شاعری کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے معانی اور مفاہیم کو اپنی زبان میں پیش کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ منظوم ترجمے میں اصل زبان کی خوبصورتی کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔

اردو ادب کے ابتدائی مترجموں نے ان ضرورتوں کا پوری طرح لحاظ نہیں کیا، اس

لئے ان کے اکثر منظوم ترجمے بے روح اور اصل سے دور ہیں۔ محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، پنڈت آنند موہن اور دتا تریہ کیفی کے منظوم تراجم کو نقص سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لارڈلٹن کی نظم ''نابینا پھول والی'' کا ایک سے زائد شعراء نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اس کا ترجمہ ''نابینا پھول والی کا گیت'' کیا ہے۔ سید ابراہیم اشک نے ''اندھی پھول والی کا گیت'' تو سرور جہاں آبادی نے ''اندھی پھول کے گیت'' کیا ہے۔ اسی طرح سید مہدی حسن احسن لکھنوی نے ''اندھی پھول والی کے گیت'' رشک بلند شہری نے ''اندھی پھول والی کا گیت'' اور سائل دہلوی وغیرہ نے ترجمے ''پھول والوں کی تعریف میں'' کے عنوان سے ترجمے کیے ہیں۔

''منظوم'' ترجمے میں مترجم نظم کے اصول وقواعد کی پابندی کی شرط سے آزاد نہیں ہوتا، اور نہ ہی وہ بحر ووزن، ردیف وقوافی کے نظام کو بالائے طاق رکھ سکتا ہے۔

اس کے لئے علم عروض اور علم قافیہ کے علاوہ علم بدیع اور علم بیان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عنوان چشتی لکھتے ہیں:

> ''چونکہ خیال کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا عمل فنی، ادبی اور تخلیقی نوعیت کا ہے اس لئے دوسری زبانوں سے اردو میں منظوم ترجمہ کرتے وقت علم بدیع وبیان پر نظر رکھنا ضروری ہے اور عروض وقوافی، معائب ومحاسن سخن اور شعری اسالیب کا عرفان بھی ضروری ہے۔''

آزاد اور معریٰ نظموں میں انگریزی ادب کے شاعروں نے اوزان وقوافی کو کسی حد تک خیرآباد کہہ دیا لیکن اردو مترجم شعراء نے مروجہ بحور واوزان کی ایک عرصے تک پابندی کی، چنانچہ انگریزی میں ''فری ورس'' لکھنے والوں نے اوزان وبحور کو خیرآباد کہہ کر آہنگ کا سہارا لیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ایک نظم کے مختلف مصرعوں میں ایک ہی بحر کے مختلف ارکان کو برتا مگر

مکمل طور پر عروضی آہنگ سے نجات حاصل نہیں کی۔ یہی حال اردو میں معریٰ نظم کا ہے۔ انگریزی ''بلینک ورس'' ایک بحر'' آئمبک پنٹامیٹر'' میں لکھی جاتی ہے مگر اردو میں اس کے لئے کوئی بحر مخصوص نہیں ہے۔ اس کی دوسری روشن مثال جاپانی شاعری کا اردو ترجمہ ہے۔ جاپانی زبان کی ساخت اردو کی ساخت سے مختلف ہے۔ اس کی اصناف اور شعری ہیئتوں کی ایک مخصوص عروضی تنظیم ہے۔ جاپانی شاعری میں رکن کا وہ تصور نہیں ہے جو اردو یا انگریزی میں ہے۔ اس لئے جنہوں نے جاپانی شاعری کا جاپانی ہیئتوں کی خارجی خصوصیات کے ساتھ اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے انہیں ناکامی ہوئی۔

منظوم ترجمہ میں بحر کی پابندی، ردیف کا اہتمام اور قوافی کا تتبع بسا اوقات ترجمہ میں نقص بھی پیدا کر دیتا ہے، خیالات من وعن ترسیل کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح منظوم مترجم اطناب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کو ردیف اور قافیہ کے تعاقب میں خود تخلیق اور اضافے کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جس سے ترجمہ کے عام اصولوں کا اتفاق نہیں۔ الفاظ کی رعایت ضروری طور پر ان اصولوں میں شامل ہے۔ مثال کے طور پر مور کی انگریزی نظم The Light of the days کا اردو میں منظوم ترجمہ نادر کاکوروی نے ''گزرے زمانے کی یاد'' کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ کچھ یوں ہے:

اکثر شب تنہائی میں　　　کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں　　　بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی　　　اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر
وہ بچپن اور وہ سادگی　　　وہ رونا، وہ ہنسنا کبھی
پھر وہ جوانی کے مزے　　　وہ دل لگی، وہ قہقہے!
وہ عشق، وہ عہد وفا　　　وہ وعدہ اور وہ شکریا
وہ لذت، بزم طرب　　　یاد آتی ہے ایک ایک سب
دل کا کنول جب روز وشب　　　رہتا شگفتہ تھا سو اب

اس کا یہ ابتر حال ہے   ایک سبزۂ پامال ہے
ایک پھول کملایا ہوا   سوکھا ہوا بکھرا ہوا

روندا پڑا ہے خاک پر(۱)

مور کی نظم کے ۱۳ مصرعوں کا ترجمہ نادر نے ۲۲ مصرعوں میں کیا ہے۔

ترجمے میں اس قسم کا اضافہ معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن مترجم نے یہ زیادتی بحر کی پابندی اور رعایت لفظی کی وجہ سے کی ہے۔ یہ ترجمہ اطناب الفاظ وخیال کا شکار ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ عروض کے اصول کی پابندی مترجم کے لئے بڑی مشکلیں پیدا کرتی ہے۔

(۱) ڈاکٹر عنوان چشتی: منظوم ترجمے کا عمل، (ترجمہ کا فن اور روایت: مرتبہ، قمر رئیس) ص:۱۵۱

قصیدۂ بانت سعاد کے منظوم تراجم کا جائزہ

قصیدۂ بانت سعاد کے دو منظوم تراجم دستیاب ہیں۔ پہلا ترجمہ رئیس نعمانی کا ہے جس کا عنوان ''نیل المراد منظوم اردو ترجمہ قصیدہ بانت سعاد'' ہے۔ یہ منظوم ترجمہ ان کے مشہور شعری مجموعہ ''چراغ نوا'' میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۲۰۰۰ء میں علی گڑھ، یوپی سے شائع ہوا۔ مترجم نے کتاب کے آخر میں ''حواشی اور حوالے'' کے عنوان سے مشکل الفاظ کا حل پیش کیا ہے۔ یہ قصیدہ رباعی کی ہیئت میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر رباعی کا قافیہ اور وزن دوسری رباعیوں سے جدا ہے۔

دوسرا منظوم ترجمہ الٰہی بخش کاندھلویؒ کا ہے، جس کا عنوان ''شرح بانت سعاد'' ہے۔ اس کتاب میں پورے قصیدے کی عربی میں تشریح کی گئی ہے۔ زبان سلیس ہے۔ اس میں ترجمے کے ساتھ تشریح بھی پائی جاتی ہے۔ ترجمہ تین زبانوں میں کیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو تاہم اردو نہ لکھ کر ''ہندی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

''ومن شعرہ بالھندی''، یعنی ''ہندوستانی'' زبان میں انہوں نے اشعار کہے ہیں ان میں سے مثال کے طور پر یہ اشعار ہیں۔

کب کہہ سکے گا اس سے مرا درد اشتیاق
لکھ دو پیامبر کو کوئی فرد اشتیاق

چشم و ابرو کا اگر کچھ بھی اشارہ ہوجائے
نام ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

یہ اشعار زبان حال سے اقرار کرتے ہیں کہ ہندی سے مراد اردو ہے۔ اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورا منظوم ترجمہ ایک ہی ردیف اور قافیے پر ختم ہوتا ہے گویا پورا ترجمہ ایک نظم ہے جو پوری پابندی کے ساتھ اپنے ردیف اور قافیے کے اصولوں پر کاربند ہے۔

بہرحال یہاں ہم ان دونوں کتابوں کے حوالے سے قصیدۂ بانت سعاد کے اردو منظوم تراجم کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

قصیدۂ بانت سعاد کے منظوم تراجم کا جائزہ

''نیل المراد'' اور ''شرح قصیدۂ بانت سعاد'' کے حوالے سے

یہاں ہم ''نیل المراد'' اور '' شرح قصیدۂ بانت سعادؔ'' کے حوالے سے زیر بحث قصیدے کے منظوم تراجم کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔ایک ایک شعر پر علاحدہ طور پر بحث کی جائے گی۔عربی کا ایک شعر پیش کر کے پہلے نیل المراد کا رباعی ترجمہ پھر ''شرح قصیدۂ بانت سعادؔ'' کا دوبیتی ترجمہ پیش کیا جائے گا۔پہلے ترجمے کے لئے (ترجمہ:۱) اور دوسرے کے لئے (ترجمہ:۲) کی علامت کا استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) بانت سعاد فقلبی الیوم متبول.....الخ

ترجمہ:۱

کہاں سعاد ہیں بس راہ میں نقوشِ قدم | ہے قلب غمزدہ کس درجہ بیقرار نہ پوچھ
نہ پوچھ آج اسیر طلب کا حالِ زبوں | ہے کس بلا کی مصیبت فراق یار نہ پوچھ

ترجمہ:۲

فراق یار سے ہے آج دل مرا بیمار
نہیں امید خلاص اس کی قید سے زنہار

تبصرہ: پہلے ترجمے میں صرف مفہوم کو پیش کیا گیا ہے،صرف ''متیم'' کا ترجمہ ''اسیر قلب'' کسی حد تک لفظ کا ساتھ دے رہا ہے،جبکہ دوسرے ترجمے میں الفاظ کی رعایت کافی حد تک ملتی ہے،محمد احتشام الحسن نے ترجمہ۲ کے دوسرے مصرعہ کی بین القوسین میں یوں ترجمانی کی ہے۔

خراب اس کی محبت میں قید ہے ناچار

اس میں ''متیم اثرھا،لم یفد مکبول'' کی بھرپور ترجمانی ہے۔

(۲) وما سعاد غداۃ البین إذ رحلوا.....الخ

ترجمہ:۱

دمِ وداع وہ اس کا کلام جاں پرور متاعِ گوش ہے وہ لحنِ نغمہ زا، ابتک
نظر میں ، باہمہ اندازِ دل رُبایانہ ہے اس کی نرگسِ بیمار سرمہ سا ابتک

ترجمہ ۲:

نہیں سعاد بوقت وِداع و روز سفر
مگر کہ نرم سخن نیم خواب نرگس زار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کے پہلے دو مصرعوں میں ''وما سعاد غداۃ البین اِذ رحلوا..... اِلّا اغنّ'' تک کی ترجمانی کی گئی ہے جبکہ آخر کے دونوں مصرعوں میں صرف ''غضیض الطرف مکحول'' کا ترجمہ ہے، جبکہ ترجمہ ۲ میں عربی کے ہر مصرعے کی ترجمانی مصرعہ بہ مصرعہ کی گئی ہے، جو بہت حد تک رعایت لفظی سے مالا مال ہے۔

(۳) هیفاء مقبلة وعجزاء مدبرة.....الخ

ترجمہ ۱:

کرشمہ سازی ذہن صنم تراش نہ پوچھ نظر کے سامنے ہے جیسے وہ سراپا ناز
وہ عضو، عضو، تناسب کی آئینہ داری وہ اس کا قدر کہ نہ کوتاہ اور نہ حد سے دراز

ترجمہ ۲:

وہ مو کرم ہے جو آوے جو جاتو کوہ سریں
نہ طویل کوتہی قد میں حرف شکوہ کوبار

تبصرہ: ترجمہ ۱ میں پہلا مصرعہ تمہید ہے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں دوسرے مصرعہ میں صرف ''مقبلة'' کا ترجمہ ہے ''ھیفاء'' اور ''عجزاء مدبرة'' کا ترجمہ ندارد ہے، ہاں تیسرے اور چوتھے مصرعہ میں ''لا تشتکی قصر منھا ولا طول'' کی بھرپور ترجمانی موجود ہے۔

جہاں تک ترجمہ ۲ کا تعلق ہے تو اس میں گرچہ غنائیت اور نغمگی اس قدر نمایاں نہیں، جتنا ترجمہ ۱ میں ہے، تاہم اس میں الفاظ وتعبیر کی پوری پوری رعایت موجود ہے۔

(۴) تجلو عوارض ذی ظلم .....الخ

ترجمہ ۱:

کرے وقت تبسم جب آشکار انہیں — وہ جاں نواز تبسم وہ دل ربا دنداں
شراب ناب سے دھویا ہے بار بار انہیں — چمک ہو موتی سے بڑھ کر، ابھی ابھی جیسے

ترجمہ:۲

ہنسے تو یہ در دنداں میں لطف ہے گویا
شراب در و مکرر ہے یا وہ می کہ دوبار

تبصرہ: پہلے ترجمہ میں پہلے مصرعہ کا ترجمہ تفہیم وتشریح کی شکل لئے ہوئے ہے جب کہ دوسرے مصرعہ کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے، ''چمک ہو موتی سے بڑھ کر'' میں چمک کے علاوہ ساری چیزیں زائد ہیں۔ قصیدے میں موتی کا کوئی بیان نہیں ہے۔

ترجمہ۲ میں ترجمانی اور نقل مفہوم کے سارے گر پائے جاتے ہیں، پر سلاست اور شعری روانی ندارد ہے۔

(۵) شجت بذی شبم.....الخ

ترجمہ:۱

وہ آج کو کہ تہہ جو پیار سے نکلے — شراب جس میں ہو آمیزش آب صافی کی
خنک کریں اسے بادِ شمال کے جھونکے — ہوں سنگریزے تہہ آب اور چاشت کے وقت

ترجمہ:۲

ملا ہو چشمۂ شیریں سے جس میں پانی سرد
بوقت چاشت کے گزری ہو جس پہ باد بہار

تبصرہ: ترجمے۱میں ''خنک کریں'' تفہیم پر مبنی اسلوب کی عکاسی کرتا ہے جبکہ دو بتی ترجمے میں ''صاف'' کا ترجمہ نایاب ہے، حالانکہ ''چشمۂ شیریں'' کہنے سے اس کی ترجمانی ہو جاتی ہے اس لئے کہ چشمۂ شریں کا پانی صاف ہوتا ہے۔

(٦) تنقی الریاح.....الخ

ترجمہ:۱

سحر کے ابر کی بارش سے جو پیار بھرے — ہوائیں دور کریں اس کے سب خس وخشاک

پھر اس کے آب میں مخلوط ہو وہ بادۂ ناب | جو اس کے دانتوں کو مانند برق چمکا دے

ترجمہ:۲

صبا نے دور کیا ہووے اس کی یکسر خس

صباح برسا ہوا برسفید زار وزار

تبصرہ: اول الذکر ترجمے کا آخری مصرعہ زائد ہے، کیونکہ اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ہوائیں اس چشمۂ شیریں سے گندگی اور دیگر مکدرات کو ہٹا دیتی ہیں۔ ان ہواؤں کے دوش پر سفید ابر بھی آتے ہیں جو صبح سویرے ہی برس پڑتے ہیں، اسی طرح آخری مصرع بالکل زائد ہے، چونکہ شعر۲ میں دنداں کا تذکرہ آیا ہے اسی لئے مترجم نے یہاں یہ مصرعہ جڑ دیا ہے۔ ویسے یہ چیز اس بیت میں مذکور نہیں، دوسرے ترجمے میں ''ہووے'' استعمال ہوا جو زبان کی قدامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷) أكرم بها خلة.....الخ

ترجمہ:۱

بہت ہی صاحب لطف وکرم ہو وہ دلبر | گر اپنے وعدۂ دیرینہ کا کرے کچھ پاس

اور اپنے سر نہ لے الزام بے وفائی کا | ہو کاش میری نصیحت کا بھی اسے احساس

ترجمہ:۲

عجب حبیب تھا ہوتا جو راست وعدہ وہ

نصیحتوں کو مری مانتا اگر وہ نگار

تبصرہ: ترجمہ۱میں ''اور اپنے سر نہ لے الزام بے وفائی'' زائد ترجمہ ہے۔ از راہ مفہوم اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ۲ الفاظ سے قریب تر ہونے کے ساتھ بہتر تعبیر کا رمز شناش بھی ہے۔

(۸) لكنها خلة.....الخ

ترجمہ:۱

مگر سرشت میں اس کی نہیں ہے یہ شامل | کہ اس کے دم سے وفا کا چراغ ہو روشن

ستانا اہل محبت کو اس کا شیوۂ خاص فریب و وعدہ خلافی ہے اس کا جوہر فن

ترجمہ:۲

بنا گیا ہے ازل سے پر اس کا جامہ جم
بدر دور بخش عشاق وخلف عہد و قرار

تبصرہ: شاعر نے اول الذکر ترجمے میں بہت خوب ترجمانی کی ہے گرچہ الفاظ کا ہو بہ ہو ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، تاہم شاعر کے مدعا تک پہنچنے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔اس طرح ترجمہ۲ میں بھی بہت خوب ترجمہ کیا گیا ہے۔ الفاظ اور معانی کا خوب صورت رشتہ بھی قام کیا گیا ہے۔

(۹) فما تدوم.....الخ

ترجمہ:۱

نہیں ہے اس کی طبعیت میں کچھ قرار وثبات کہ ایک حال پہ قائم وہ رہ سکے دم بھر
مزاج غول بیاباں کی مثل ہے اس کا بدلتا رہتا ہے جو لحہ شکلِ دگر

ترجمہ:۲

نہیں مدام بیک حال وہ ستم ایجاد
پری کی طرح بدلتا ہے وہ لباس ہزار

تبصرہ: پہلے ترجمے کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے، پر ترجمہ۲ کا ترجمہ الفاظ سے ہم آہنگ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ معانی و مطالب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۱۰) ولا تمسک.....الخ

ترجمہ:۱

نہیں ہے وعدہ و پیاں کا اعتبار اس کے کہ اہل حسن کا شیوہ نہیں وفاداری
مثال عہدِ وفا کی جو اس کے سچ پوچھو تو اس طرح سے ہے چھلنی میں جس طرح پانی

ترجمہ:۲

نہیں ثبات اسے اپنے عہد پر ہرگز

مگر کہ پانی کو غربال میں ہو جیسے قرار

تبصرہ: ترجمہ ۱ میں بھرپور ترجمانی کی گئی ہے۔ اس میں دوسرا مصرعہ (کہ اہل حسن کا شیوہ نہیں وفاداری) زائد ہے، ترجمہ ۲ میں الفاظ کی ترجمانی کے ساتھ ترکیب کی بھی پوری رعایت موجود ہے۔

(۱۱) فلا یغرنک.....الخ

ترجمہ ۱:

نہ کھا فریبِ تمان، نہ دیکھ وصل کے خواب   کہ خواب و آرزو کرتے ہیں نفس کو گمراہ
ہے اہل حسن کا وعدہ تمام مکر و فریب   بھرے ہے ان کا گرفتار، زندگی بھر آہ

ترجمہ ۲:

فریب تجھ کو نہ دے اس کا منت اور وعدہ
خیال وصل ہے خواب تباہ سے دشوار

تبصرہ: پہلے دو مصرعوں ہی میں مفہوم واضح کر دیا گیا ہے۔ آخر کے دو مصرعوں میں اس کے مفہوم کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ شعر کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ جہاں تک ترجمہ ۲ کا تعلق ہے تو اس میں ترجمانی تو کی گئی ہے پر غنائیت مفقود ہے۔

(۱۲) کانت مواعید.....الخ

ترجمہ ۱:

مثالِ وعدۂ عرقوب ان کے وعدے ہیں   جو مکر و وعدہ خلافی میں تھا بہت ماہر
ہمیشہ ہوتی ہے دل میں تو بات انکے کچھ اور   مگر اداؤں سے کرتے ہیں اور کچھ ظاہر

ترجمہ ۲:

بجا ہے اس سے جو عرقوب کو میں دوں تشبیہ
بجز دروغ نہیں کرتا وعدہ وہ مکار

تبصرہ: اول الذکر ترجمہ کا دوسرا مصرعہ زائد ہے جبکہ دوسرے ترجمہ میں مفہوم بیان کیا گیا ہے، دور کی کوڑی لا کر ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱۳) أرجــو وآمــلُ.....الــخ

ترجمہ:۱

یہ آرزو تھی کہ ہو جائے مجھ پہ وہ شیدا ہوں ایک عرصے سے جس طرح میں فدا اس پر
مگر یہ وہم تھا، اور صرف وہم تھا میرا کہ التفات و نوازش کس کی ہوگی ادھر

ترجمہ:۲

امید مہر کو رکھتا ہوں اس پری وش سے
نہیں گمان کہ میسر ہو مجھکو بوس وکنار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کا ہر مصرع الفاظ سے قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ ترجمے کی خوبیوں سے بھی آراستہ ہے۔ ترجمہ ۲ میں ''ارض'' کا ترجمہ ''ملک'' سے کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس وقت عرب کا جو جغرافیائی خطہ تھا اس میں کسی دوسرے دور دراز ملک کا تصور نہیں ملتا، علاقے اور خطے تھے جو ریاستوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۴) امســت ســعــاد.....الــخ

ترجمہ:۱

سعاد پہنچی ہے ایسی جگہ پہ شام کے وقت جہاں کوئی بھی نہ پہنچا سکے بہ آسانی
سوا، ان اونٹوں کے، بے عیب جنکی ہوں نسلیں جمال و تیز روی میں نہ جن کے ہوں ثانی

ترجمہ:۲

سعاد پہنچی ہے اس ملک میں کہ جا نہ وہاں
مگر شتر کہ اصیل اور نجیب ہو رہوار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کا ترجمہ بہت خوب ہے، ترجمہ ۲ میں بھی ارض کے مرجع ''یبلغھا'' کا ترجمہ ملک سے کیا گیا ہے، ترجمہ غیر واضح ہے۔

(۱۵) ولــن يبــلــغهــا.....الــخ

ترجمہ:۱

وہ سرزمین، جہاں پہنچا نہیں سکے گا کوئی سوا، ان اونٹوں کے جو ہوں قوی وسخت اقدام

وہ ناقہ جو کہ سفر خستگی کے حال میں بھی
رہے بہ جانب منزل ہمیشہ تیز خرام

ترجمہ:۲

نہ پہنچے ملک میں اس کے مگر کہ ناقہ چست
کہ ماندگی میں بھی پو یہ چلے وہ یلغار

تبصرہ: ترجمہ ا میں ترجمے کے چاروں اقطاب روشن کردیئے گئے ہیں، تاہم ارقال اور تبغیل دونوں کا ایک ہی ترجمہ (تیز خرام) کردیا گیا ہے۔ اسی طرح ترجمہ ۲ میں بھی دونوں لفظوں کا ایک ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ تھکنے کے باوجود تیز گام ہونا ارقال اور اونچے نیچے راستوں پر تیز دوڑنے کو تبغیل کہتے ہیں۔

(۱۶)
من كل نضاخة..... الخ

ترجمہ:ا

وہ ناقہ قوم میں اپنی جو سب سے ہو ممتاز
چلے جو تیز قدم بے نشان راہوں میں
عرق فشاں دمِ رفتار اس کے گوش و جبیں
ہو اس کے حوصلے کا امتحان راہوں میں

ترجمہ:۲

عرق چکاں ہو پس گوش سے زگرمی سیر
وہ راہ طے کرے جسکے نہیں نمود آثار

تبصرہ: ترجمہ ا کا پہلا اور آخری مصرعہ دونوں زائد ہے، جبکہ تیسرا مصرعہ پہلے بیت اور دوسرا مصرعہ دوسرے بیت کا ترجمہ ہے۔ دو بیتی ترجمہ میں ہر ایک لفظ کی تقریباً ترجمانی ہے، تاہم موسیقیت ندارد ہے۔

(۱۷)
ترمى الغيوب..... الخ

ترجمہ:ا

نگاہیں اس کی ہوں یوں جستجوئے منزل میں
تپے ہوں دھوپ سے جب کوہ و دشت و ریگستان
کہ جس طرح کوئی جنگلی سفید رنگ کا بیل
بچھڑ کے گلے سے اس کے لئے ہو سرگرداں

ترجمہ:۲

نظر رکھ ہے جو چشم غزالہ دور و دراز
تپاں ہو گرمی سے جب ریگ ودشت آتش وار

تبصرہ: ترجمہ ۱ میں ''مفرد لہق'' کا ترجمہ جنگلی سفید بیل کیا گیا ہے جبکہ ترجمہ ۲ میں غزالہ کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ رباعی ترجمہ کا آکری مصرعہ ''بچھڑ کے گلے سے اس کے لئے ہو سرگرداں'' زائد ہے۔

(۱۸) ضخم مقلدھا.....الخ

ترجمہ ۱:

وہ ناقہ ، حسن ہے گردن کا فربہی جس کی اوراس کے پاؤں بھی ہیں فربہی سے حسن پذیر
جواپنی ساخت میں بہتر ہے سارے اونٹوں سے شرف میں جس کے نہیں ہے کس طرح تقصیر

ترجمہ ۲:

عظیم گردن و بھاری ہیں اس کے دست اور پا
رکھ ہے اپنے نبی نوع پر وہ فضیل ہزار

تبصرہ: ترجمہ میں ''بنات الفحل'' کا ترجمہ ''اونٹ'' کیا گیا ہے۔ دوسرے منظوم ترجمے میں ''بنی نوع'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جب کہ ردائے رحمت میں ''بنات الفحل'' ''سانڈنیوں'' کو کہا گیا ہے۔

(۱۹) غلباء وجناء علکوم.....الخ

ترجمہ ۱:

بلنداس کی ہے گردن، کلاں ہیں رخسارے ہے مثل نر کے توانا ، اگرچہ مادہ ہے
وہ تیز بیں ہے، حضر ہو کہ ہو سفر، اس کی حدِ نگاہ میں ہر اک نشانِ جادہ ہے

ترجمہ ۲:

دراز گردن و وخسار ہے قوی جوں نر
فراخ پہلو و گردن کلان منارہ دار

تبصرہ: پہلے ترجمے میں ''فی دفہاسعۃ قدامہا میل'' کا ترجمہ دونوں تراجم میں

مختلف ہے۔ ''دف'' گردن کے نچلے حصے کو ''اقدام'' ٹانگوں کو ''غلباء'' موٹی گردن اور ''وجناء'' تھوتھنی کو کہتے ہیں۔ ان مفردات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ترجمے الفاظ کی بھرپور رعایت سے خالی ہے۔

(۲۰) **وجلدھا من أطوم.....الخ**

ترجمہ ۱:

ہے سنگ پشت کی مانند اس کی پشت کی جلد　　بہت ہی سخت، چمکدار اور بہت ہموار
کہ جس پر چچڑی چمٹنے میں کامیاب نہ ہو　　اگرچہ بھوک سے چچڑی کو ہو نہ صبر و قرار

ترجمہ ۲:

مگر کہ جلد نے سختی یہ سنگ پشت سے لی
کہ کنہ اسمیں نہ بیٹھے اگر ہو لاغر و زار

تبصرہ: دونوں ترجمے لفظی رعایت کے پابند ہیں تاہم پہلے ترجمے میں ''طلع'' کا ترجمہ ''چچڑی'' اور دوسرے میں ''کنہ'' کیا گیا ہے، نیز ''مہزول'' کا تعلق دونوں ترجموں میں ''طلع'' (چچڑی یا کنہ) سے ہے، جب کہ منثور ترجمہ (ردائے رحمت) میں اس کا تعلق خود اونٹنی سے ہے۔

(۲۱) **حرف ابوھا.....الخ**

ترجمہ ۱:

مثالِ کوہ بلند اور سخت اس کا بدن　　دراز گردن و پشت اور تیز ہے رفتار
کہ اس کا باپ ہے بھائی، تو ہے چچا ماموں　　ہے جن سے اس کو بہائم میں اعتبار و وقار

ترجمہ ۲:

وہ موکمر کہ ہے باپ کا بھائی اور عم خال
اصیل ذات میں گردن دراز اور رہوار

تبصرہ: رباعی ترجمے کے پہلے دو مصرعے گرچہ ''حرف'' کی ترجمانی و تفہیم کرتے ہیں تاہم عربی شعر کی دوسری سطر کے ''قوداء شمليل'' کا بیان بھی اس میں آگیا ہے۔

(۲۲) **یمشی المراد.....الخ**

ترجمہ ۱:

بدن پر اس کے اگر چڑھتی ہے کبھی چچڑی پھسل کے گرتی ہے فوراً زمین کے اوپر
کہ اس کے سینہ و پہلو ہیں اس قدر چکنے جو ٹک سکے نہ کوئی شے بھی ان پر سرتاسر

ترجمہ ۲:

مگس جو بیٹھے بدن پر وہیں پھسل جاوے
زبس کہ نرم ہے سینہ کفل نپٹ ہموار

تبصرہ: پہلے ترجمہ میں ''اُقراب'' کا ترجمہ ''پہلو کا گیا ہے، جب کہ بعض دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ ''کمر'' کیا ہے۔ دوسرے ترجمے میں ''طلع'' کا ترجمہ ''مگس'' کیا گیا ہے، حالانکہ ''مگس'' شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ''ثم یزلقہ'' میں باب افعال کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲۳) **عیرانۃ قذفت.....الخ**

ترجمہ ۱:

ہے چال اس کی کسی جنگلی گورخر کی طرح پھر اس پہ فربہی کا عجیب عالم ہے
ہے ہر طرف سے وہ پر گوشت اس طرح کہ جدا ہمیشہ کہنیاں رہتی ہیں اس کی پہلو سے

ترجمہ ۲:

وہ نیل گاؤ ہے پُر گوشت دونوں جانب سے
کہ جسکے بازو کو پہلو سے فرق ہے بسیار

تبصرہ: پہلے ترجمہ میں ''ہے چال اس کی کسی'' زائد ہے بقیہ اشعار مثالی ترجمے کی علامت بن سکتے ہیں جبکہ ترجمہ ۲ میں ''وہ نیل گاؤ ہے پر گوشت دونوں جانب سے موصوف صفت کی ترکی کے معکوس ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا ضرورت شعری کی بنا پر کیا گیا ہے۔ زبان کی قدامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آج کل نیل گائے رائج ہے۔

(۲۴) **کأنما فات.....الخ**

ترجمہ ۱:

منھ اس کا ناک کے نتھنوں سے دونوں کانوں تک — کہ جیسے سانچے میں ڈھالا گیا ہو سنگ دراز
اسی صفت سے ہے موصوف اس کی گردن بھی — مقام حلق سے کلوں تک ایک ہے انداز

ترجمہ:۲

مگر کہ اس کی دونوں آنکھوں سے لیکے تابنی
گلے سے منھ تئیں تختہ ہو سنگ کا پرکار

تبصرہ: ترجمہ ۱ میں ''فات'' اور ترجمہ ۲ ''قاب'' کا ترجمہ کیا گیا ہے جب کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ رباعی ترجمہ کا آخری مصرعہ زائد ہے توضیح کے لئے ہے۔

(۲۵) تمر مثل عسیب.....الخ

ترجمہ:۱

دُم اس کی ہلتی ہے اس طرح سے بوقتِ خرام — کہ شاخ خرمے کی جیسے ہوا کے جھونکوں سے
تھنوں کے حسن سے کھلواڑ کر رہی ہے وہ — بچی ہوئی ہے جو خود دل فریب بالوں سے

ترجمہ:۲

تھنوں پہ پھرتی ہے جوں شاخ نخل پر چم دم
خیانت اس سے کسی نرنے کی ہو کیا تکرار

تبصرہ: ترجمہ ۱ تمام تر تفہیم پر مبنی ہے، جبکہ ''فی گارزلم تخونہ الاً حالیل'' کا صحیح ترجمہ بھی نہیں یا گیا ہے۔ ترجمہ ۲ میں مفہوم غیر واضح ہونے کے ساتھ ترجمانی بھی گلط کی گئی ہے، چنانچہ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

''خیانت اس سے کسی نرنے کی ہو کیا تکرار''

یہاں ''نر'' کی خیانت مقصود نہیں ہے جبکہ تھن نے دودھ دینے میں خیانت نہیں کی ہے۔ اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو منثور و منظوم تراجم میں تقابل کے دوران کی جائے گی۔

(۲۶) قنواء، حرتیھا.....الخ

ترجمہ:۱

ہے ناک اس کی محدب تو نرم ہیں رخسار — کشش ہے آنکھوں میں بھی چشم دیدہ ور کیلئے

اوراس کے کانوں کے مابین ایک تابش خاص دلیل اصل ہے ہر صاحب بصر کیلئے

ترجمہ:۲

نجابت اس کی عیاں ہے دو گوش سے تس پر
بلند بینی و ہموار اس کے ہیں رخسار

تبصرہ: ''عتق مبین'' کا ترجمہ ۱ میں ''تابش'' (چمک) کیا گیا ہے جب کہ دوسرے ترجمے میں ''عیاں'' اور واضح ہونے سے اس کی تعبیر کی گئی ہے۔

(۲۷) تخدی علی یسرات.....الخ

ترجمہ:۱

ہیں ٹانگیں اس کی بہت نازک اور بہت ہی سبک زمین پر جنہیں رکھتی ہے کم دمِ رفتار
مگر وہ ساری نزاکت کے باوجود اپنی پہنچ ہی جاتی ہے منزل پہ مثل باد بہار

ترجمہ:۲

وہ سرخ پا کہ پریشاں کرے ہے رستہ کے سنگ
نہیں ہے حاجت نعل اسکو کوہ پر زنہار

تبصرہ: پہلے ترجمے میں ''سمر'' کا ترجمہ ''سرخ گندم گوں'' کیا گیا ہے جبکہ دوسرے میں صرف ''سرخ'' سے اس کی ترجمانی کی گئی ہے۔

(۲۹) کان أوب ذراعیها.....الخ

ترجمہ:۱

کمال پاؤں کی گردش کا اس کے ہو ظاہر تپش سے مہر کی جس دم پسینہ آتا ہو
پہاڑیاں نظر آئیں سراب کی مانند پیاسا آدمی گرمی سے بوکھلاتا ہو

ترجمہ:۲

جو کوئی چلنے میں دیکھے ہے اس کی گردش دست
دے کے بیچ میں ہوئے سراب ریگ چو مار

تبصرہ: ترجمہ ۱ ''اوب'' ہے اور ترجمہ ۲ میں ''اوب'' کا ترجمہ گردش سے کیا گیا ہے۔ پہلا

ترجمہ بالکل واضح ہے جب کہ دوسرے ترجمے پر ابہام کا غلبہ ہے۔

(۳۰) یوما یظل بہ.....الخ

ترجمہ:۱

زمین دھوپ سے جس روز خوب تپتی ہے　　مثالِ آتش سوزاں ہو ریت کی حالت
چلے گر اس پہ، جھلس جائے آفتاب پرست　　مجال کیا کسی انسان کو ملے راحت

ترجمہ:۲

وہ روز گرم کہ جلتا ہو جس میں بوقلموں
بھنا ہو ظاہر تن اس کا دھوپ سے بسیار

تبصرہ: ترجمہ۱ میں ''الحرباء'' کا ترجمہ ''آفتاب پرست'' کیا گیا ہے، جسے گرفٹ کہتے ہیں، ترجمہ۲ میں اس پر ''بوقلموں'' کا اطلاق کیا گیا ہے۔ رباعی ترجمہ کا آخری مصرعہ زائد ہے۔

(۳۱) و قال للقوم.....الخ

ترجمہ:۱

کہے یہ قوم سے ایسے میں ساربان ان کا　　ہے دھوپ تیز، بھری دوپہر ہے، کچھ سولو
کہ ٹڈیاں بھی تمازت میں اڑ نہیں پاتیں　　تو سنگریزوں سے ٹکرا رہی ہیں پنجوں کو

ترجمہ:۲

دو پہرے ٹھیک میں کہتا ہے ساربان سولو
ملخ بھی اب تو زمیں پر تپے ہے بسمل وار

تبصرہ: پہلا ترجمہ بہت خوب ہے۔ الفاظ کی بھرپور ترجمانی کے ساتھ موسیقیت اور غنائیت بھی اس میں پائی جاتی ہے۔ دوسرے ترجمے میں ضرورتِ شعری نے جہاں الفاظ کا گلا گھونٹا ہے وہیں موسیقیت اور غنائیت کو بھی رخصت کر دیا ہے۔

(۳۲) شد النھار ذراعا.....الخ

ترجمہ:۱

اسی فضا میں ہیں پاؤں اسکے اسطرح جیسے　　کسی ادھیڑ سی عورت کے لمبے لمبے ہاتھ

کہ جس کے بچے کئی مر چکے ہیں، اس غم میں　　　وہ ملے روتی ہے ایسی ہی عورتوں کے ساتھ

ترجمہ ۲:

تو سمجھے یہ کہ ہیں دست زن دراز جواں
شریک نوحہ پھر اسکے ہے اور ماتم دار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کے آخری مصرعہ ''وہ مل کے روتی ہے ایسی ہی عورتوں کے ساتھ'' ان عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے کئی پہلوٹی کے بچے مر چکے ہوں، اس میں موسیقیت زیادہ نہیں پائی جاتی ہے۔ دوسرے ترجمے کا پہلا مصرعہ گو کہ سماعت پر بھاری ہے پر دوسرا مصرعہ بہت خوب ہے۔

(۳۳) نواحۃ رخوۃ..... الخ

ترجمہ ۱:

کسی نے جب سے سنائی ہے آ کے اس کی خبر　　　کہ تیرا لخت جگر چل بسا ہے دنیا سے
نہیں ہے اس کو کسی حال میں بھی صبر و قرار　　　سراپا نوحہ و فریاد و آہ و زاری ہے

ترجمہ ۲:

وہ نوحہ گر ہے سبکدست جس کو ہوش نہیں
خبر سے مرگ پسر کے ہوئے زار و نزار

تبصرہ: ترجمہ میں تفہیم و تشریح کا زیادہ غلبہ ہے، جبکہ ترجمہ ۲ میں ''ناعون'' کا ترجمہ ندارد ہے۔

(۳۴) تفری اللبان..... الخ

ترجمہ ۱:

وہ دونوں ہاتھوں۔ سے مصروف سینہ کوبی ہے　　　ہوا ہے جس سے گریبان بھی تار تار اس کا
سکون کس طرح ہو سکتا ہے اسے حاصل　　　کہ لٹ چکا سبھی سرمایۂ قرار اس کا

ترجمہ ۲:

خراش سینہ کو کرتی ہے دونوں ہاتھوں سے

گلے کا پیرہن اس نے کیا ہے تار پہ تار

تبصرہ: پہلے ترجمہ کے پہلے دو مصرعے الفاظ کی بھرپور رعایت کرتے ہیں، جبکہ آخر کے دو مصرعے ''رعابیل'' کے لفظی ترجمے ہیں۔

(۳۵) تسعی الوشلۃ.....الخ

ترجمہ:۱

اس اونٹنی کے دو جانب تھے دشمنوں کے گروہ   جو تیز دوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے
کہ تیرے قتل کا یثرب میں ہو چکا اعلان   خبر ہے کچھ؟ ابو سلمیٰ کے خوش نوا پوتے!

ترجمہ:۲

پھریں ہیں کہتے ہوئے گرد اس کے یوں دشمن
کہ کشتگاں ہیں تو کر کعب اپنی جان شمار

تبصرہ: ترجمہ۱ بہت خوب ہے۔ مترجم نے ترجمہ۲ کے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے ''پھریں ہیں کہتے ہوئے گرد اس کے یوں دشمن'' یہاں ''پھریں'' کے بجائے ''پھرے'' ہونا چاہیے۔ ضرورت شعری کا استحالہ بھی اس تحریف کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(۳۶) وقال کل خلیل.....الخ

ترجمہ:۱

کلام سرورِ عالمؐ کی کیا کہوں تاثیر   کہ دشمنوں کو بھی جس پر یقین کامل تھا
ہر ایک دوست، تھی جسے مجھے امیدِ وفا   وہ میرے سایے سے بھی دوریوں پہ مائل تھا

ترجمہ:۲

جو یار اپنے مددگار تھے سو سب نے کہا
کہ ہم سے دور ہو تو ہم ہیں اب کیسے بیزار

تبصرہ: ترجمہ۱ کے پہلے دو مصرعوں کا قصیدے کے اشعار سے لفظاً کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن اس سے ایک اہم نکتے کی دریافت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ شاعر نے گویا ان دونوں مصرعوں میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا ہر دوست اس سے جو بیگانگی ظاہر کر رہا ہے وہ اس لئے کہ رسول

پاکؑ اس سے ناراض ہیں جب کہ دوسرے مترجمین اور شارحین نے اس اہم نکتے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ الفاظ سے بھرپور رشتہ قائم کیے ہوئے ہے۔

(۳۷) فقلت خلوا سبیلی..... الخ

ترجمہ ۱:

یہ حال دیکھ کے میں نے کہا یہ لوگوں سے — کہ تم سبھی مرے رستے سے آج ہٹ جاؤ
میں جارہا ہوں بہ سوئے مدینہ بے پروا — جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے ہونے دو

ترجمہ ۲:

کہا میں چھوڑ دو اے بیوفا مرا راستہ
کیا ہے حق نے مقدر سو ہوگا آخر کار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کا تیسرا مصرعہ زائد ہے، اس زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ لفظاً یہ شعر میں وارد نہیں ہیں بلکہ تفہیم کی غرض سے نیز ردیف وقافیہ کی بھرپائی کے لئے اسے بروئے کار لایا گیا ہے۔ ترجمہ ۲ میں ''لا اُبالکم'' کی تعبیر ''اے بے وفا'' سے کیا گیا ہے جبکہ پہلے ترجمہ میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

(۳۹) کُلُ ابْنِ اُنْثیٰ..... الخ

ترجمہ ۱:

کہ اس جہاں میں پیدا ہوا ہے جو بھی کوئی — ہو اس کی زندگی کچھ روز، یا کہ سالہا سال
ہر اک کا جانا ہے اک دن جنازہ گورستان — یہ ہے سب کا مقدر، یہ ہے سب کا مآل

ترجمہ ۲:

ہر ایک شخص اگرچہ ہو عمر اس کی دراز
بوقت مرگ جنازہ پہ لیک ہوگا سوار

تبصرہ: پہلے ترجمے میں گرچہ تفہیم وتشریح کا پہلو غالب ہے تاہم ترجمانی اچھی کی گئی ہے۔ جہاں تک دوسرے ترجمے کا تعلق ہے یہ بھی واضح ہے، اس شعر میں ایک لفظ ''آلہ حدباء'' وارد ہوا ہے جس کے معنی ''تابوت'' یا وہ چارپائی جس پر میت کو تدفین کے لئے لے جایا جاتا ہے۔

(۴۰) اُنبئتُ أنَّ رسول اللہ أوعدنی.....الخ

ترجمہ:۱

خبر ملی ہے کہ مجھ کو ہلاک کرنے کی ہوئی ہے عام اجازت، لبِ رسولؐ سے
مگر، مرا دل امیدوار رکھتا ہے امیدِ عفو و کرم، درگہِ، نبوتؐ سے

ترجمہ:۲

سنا ہے میں کہ پیمبر نے حکم قتل کیا
ولیک عفو وکرم اس رسول کا ہے شعار

تبصرہ: ترجمہ میں ۱ ''انبئت'' اور ترجمہ ۲ میں ''نبئت'' کا لفظ وارد ہوا ہے۔ پہلے ترجمے کا تیسرا مصرعہ تنقید سے خالی نہیں، جو کچھ یوں ہے (مگر، میرا دل امیدوار رکھتا ہے) ''امیدوار رکھتا ہے'' تعبیر کے اعتبار سے واضح غلطی ہے جس پر ضرورت شعری کا استحالہ بھی کوئی جواز نہیں پیش کرسکتا، دوسرے ترجمہ میں ''ولیک'' کا لفظ آیا ہے جسے ضرورت شعری ہی کا گرفتار مصیبت کہہ سکتے ہیں، ویسے مجموعی طور پر دونوں ترجمے اچھے ہیں۔

اسی شعر سے قصیدے کا گریز شروع ہوتا ہے اور یہیں سے شاعر مدحتِ رسولؐ میں رطب اللسان ہوتا ہے، گریز کی ابتدا معذرت سے ہوتی ہے۔

(۴۱) لقد آتیتُ رسولَ اللہ معتذراً.....الخ

ترجمہ:۱

بلا شک آج رسولؐ خدا کی خدمت میں میں لے کے آیا ہوں عذر خطا کا عزم صمیم
مجھے یقین ہے مری معذرت بھی ہوگی قبول خدا گواہ کہ سرکارؐ ہیں رؤف و رحیم

ترجمہ:۲

رسول پاس میں آیا ہوں کرنے عذرِ خطا
کہ اس کے حکم کے آگے قبول ہیں اعذار

تبصرہ: ترجمہ ۱ کا آخری مصرعہ زائد ہے۔ تشریح وتفہیم نیز ردیف اور قافیہ کی بھرپائی کے لئے بروئے کار لایا گیا ہے، دوسرے ترجمے میں گرچہ ترجمانی کامیاب حد تک کی گئی ہے۔ تاہم

''رسول پاس میں آیا ہوں کرنے عذر خطا'' میں ''رسول پاس میں آیا ہوں کرنے......'' کی ترکیب نہایت ہی بھونڈی ہے۔ دراصل یہ تعقید کا عیب ہے۔

(۴۲) **مهلاً هداك اللهُ الذي.....الخ**

ترجمہ:۱

رسولِ پاکؐ، عطا کیجئے مجھے مہلت | خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل
کہ جس سے آپ کو قرآن سی کتاب ملی | نصیحت اور بیانات جس کے ہیں کامل

ترجمہ:۲

نہ جلدی کر کہ ہدایت کرے تجھے وہ خدا
کتاب جس نے تجھے دی بوعظ و پند ہزار

تبصرہ: اس شعر کی ترجمانی میں دونوں ترجمے ''ھداک اللہ الذی'' ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ ترجمہ۱ میں ''ھداک الذی......'' کو بطور خبر اور ترجمہ۲ بطور انشاء (دعا) استعمال کیا گیا ہے۔

(۴۳) **لا تأخذني باقوال.....الخ**

ترجمہ:۱

نہ باز پرس کریں مجھ سے آپ شاہِ رسلؐ | کسی بھی طرح مرے دشمنوں کے کہنے سے
ہوئی نہ مجھ سے خطا ایسی شانِ اقدس میں | گھڑے گئے ہیں یہ جس کے بہت سے افسانے

ترجمہ:۲

نہ کہ مواخذہ مجھکو بقول بدگویاں
نہیں گناہ مرا کچھ کہیں ہیں گو بسیار

تبصرہ: پہلا ترجمہ بہت خوب ہے۔ موسیقیت اور غنائیت سے بھی بھرپور ہے، جب کہ ترجمہ۲ کا مفہوم بھی اتنا واضح نہیں ہے نیز شیریں بھی نہیں ہے۔

(۴۴) **لقد أقوم مقاماً.....الخ**

ترجمہ:۱

کھڑا ہوں آج میں ایسے مقام پر کہ جہاں کھڑا ہو میری جگہ پر اگر کوئی ہاتھی
میں دیکھتا ہوں جو کچھ اور جو میں سنتا ہوں وہی اسے بھی نظر آئے اور سنے وہ بھی

ترجمہ:۲

میں اس جگہ میں کھڑا ہوں کہ گر کھڑا ہو فیل
سنے وہ یا کہ جو دیکھوں ہوں میں بحال نزار

تبصرہ: قصیدے کے شعر میں ''أری وأسمع'' مکرر ہے تاہم ''یسمع'' مکرر نہیں ہے، اس لئے چونکہ الٰہی بخش کاندھلویؒ نے لفظی رعایت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ''یری' کا بھی ترجمہ نہیں کیا ہے جبکہ رئیس نعمانی نے ''أری وأسمع'' کو وزن یسمع ویری کا بھی ترجمہ کیا ہے جب کہ یہاں ''یری'' کا وجود نہیں ہے، لیکن رئیس نعمانی کا ترجمہ زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ''أری و أسمع'' دونوں کا ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ''یری'' بھی آنا چاہیے اور محقق کی رائے میں معاملہ ایسا ہی تھا، صرف ضرورتِ شعری کی بنیاد پر شاعر نے غالباً ''یری'' کو ترک کر دیا ہے۔

(۴۵) **لظل یرعد إلا أن یکون لہ.....الخ**

ترجمہ:۱

مجھے یقین ہے کہ وہ بھی لرز لرز جائے رسولِ پاکؐ کے پاکیزہ رعب وہیبت سے
مگر کہ حکمِ خدا سے ملے اماں اس کو رسولِ اکرم واعظمؐ کے لطف ورحمت سے

ترجمہ:۲

لگے وہ کانپنے بیشک مگر کہ ہو جاوے
نبیؐ کے لطف وکرم سے چہار طرف حصار

تبصرہ: پہلا ترجمہ بہت خوب ہونے کے ساتھ الفاظ سے قریب بھی ہے، تاہم دوسرا مصرعہ زائد ہے، جبکہ ترجمہ۲ غنائیت سے عاری ہے۔

(۴۶) **حتی وضعتُ یمینی.....الخ**

ترجمہ:۱

یہ انتہا ہے کہ ادنیٰ منازعت کے بغیر میں اپنے ہاتھ کو دیتا ہوں، ہاتھ میں انکے

وہ جن کی شان ہے دنیا میں آج سب سے بلند ہے قول ''قول'' جو نکلے لبِ مبارک سے

ترجمہ:۲

رکھا میں منتقم دیں کے ہاتھ میں اب ہاتھ
کشیدگی نہ کروں گا کہ ہے وہ صدق شعار

تبصرہ: ترجمہ۱ کا تیسرا شعر تفہیم تشریح کا شاخسانہ تاہم ترجمانی بہتر ہے۔ اسی طرح ترجمہ۲ بھی واضح ہے۔ پر ''ذی نقمات'' کا ترجمہ ''منتقم دیں'' کیا جو ناقص ہے۔ یہ انتقام ایسا ہے، جس میں ناراضگی بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ ترجمہ۱ میں ''ذی نقمات'' کو تو چھوڑ ہی دیا گیا ہے۔ اسی طرح ترجمہ۱ میں ''قیل وقال'' کی ترجمانی ''صدق شعار'' سے کیا گیا ہے۔

(۴۷) لذاک أهيب عندي..... الخ

ترجمہ:۱

یہ اس لئے کہ ہوئی گفتگو جب آقا سے تو تھا بہت ہی میں ہیبت سے ان کو خوف زدہ
کہا گیا تھا کہ ہے کعب، تجھ پہ، وہ الزام بجا ہے حال پہ تیرے اگر کریں گریہ

ترجمہ:۲

مہیب تر ہے وہ مجھ پاس وقت گفت وشنود
کیا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کیار

تبصرہ: پہلا ترجمہ گو بہت خوب ہے، اس میں منسوب ومسئول کی ترجمانی نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے ترجمے کا دوسرا مصرعہ پیچیدگی سے خالی نہیں، چنانچہ ''وقیل انک منسوب ومسئول'' کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ کیا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کیاب'' جس کا مفہوم ومطلب غیر واضح ہے۔ تاہم ''مہیب تر'' کی ترکیب الٰہی بخش کاندھلویؒ نے بہت اچھی استعمال کی ہے۔

(۴۸) من خادر من ليوث.....الخ

ترجمہ:۱

مری نگاہ میں ہیبت تھی آپ کی بڑھ کر اک ایسے شیر سے، شیروں کا شیر جس کو کہوں

وہ جس کی جائے سکونت ہو ایسے جنگل میں　　　گھنیرے پن میں جو ہو سارے جنگلوں سے فزوں

ترجمہ:۲

تبصرہ: رباعی ترجمہ کا پہلا شعر......زائد ہے، تاہم بقیہ اشعار کی ضرورت تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۴۹) **یغدو فیلحم ضرغاً.....الخ**

ترجمہ:ا

وہ شیر جو کہ بوقتِ سحر شکار کرے　　　اور اپنے بچوں کو دے ان کی دل پسند غذا

غذا ہے جن کی کہ انساں کا تازہ تازہ گوشت　　　جو ریزہ ریزہ بساط زمین پر ہو پڑا

ترجمہ:۲

تبصرہ: ترجمہ ا بہت خوب ہے، گرچہ غنائیت سے محروم ہے، تاہم ترجمانی میں کوئی کمی نہیں ہے۔

(۵۰) **إذا یساور قرناً لا یحل لہ.....الخ**

ترجمہ:ا

وہ شیر نر کہ جو حملہ بھر کے کرتا ہے　　　خود اپنے جیسے ہی شیرِ نر و توانا پر

تو چھوڑتا نہیں ہرگز فریقِ ثانی کو　　　مگر شکست، شکست اور شکست ہی دے کر

ترجمہ:۲

جو اپنے مثل پر حملہ کرے تو کیا مذکور
کہ درگزر کرے اس سے مگر کہ ہووے فرار

تبصرہ: اس شعر کا ترجمہ بہت اچھا کیا گیا ہے۔ ترجمہ ا کا تو کوئی جواب نہیں، جبکہ ترجمہ ۲ میں دوسرے مصرعہ کا ترجمہ نہایت ہی پر پیچ ہے۔

(۵۱) **منہ تظل سباع الجو ضامرۃ.....الخ**

ترجمہ ۱

وہ شیر جس کے ہراس اور رعب ودہشت سے　　درندے دشت کے سب ہوں نحیف اور لاغر
شکاری کیسے ہی ماہر ہوں صید کرنے میں　　ہے کس میں دم کہ جو وادی سے اسکی جائے گزر

ترجمہ ۲

ہوئے ہیں خوف سے اس کے درندے لاغر
جو گزرے پیادہ بھی اس دشت میں یہ کیا تکرار

تبصرہ: اس کا پہلا ترجمہ بہت خوب ہے، تاہم تیسرا مصرعہ زائد ہے، متن سے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں ہے، تاہم معنوی طور پر بھرپور ارتباط پایا جاتا ہے۔ ترجمہ ۲ میں تفہیم اچھی ہے، پر غنائیت بہت کم ہے۔

(۵۲) ولا یزال بوادیہ اخو ثقۃ.....الخ

ترجمہ ۱

ہمیشہ ملتا ہے وادی میں اس کی کوئی شجاع　　پڑا ہوا کسی کھائی ہوئی غذا کی طرح
زمین پر کہیں بکھرے ہیں اسلحہ جس کے　　کہیں لباس پڑا ہے پھٹی ردا کی طرح

ترجمہ ۲

ہمیشہ دشت میں اس کے ہیں پہلوان دلیر
شکستہ زرہ ولباس آپ ہوں گے خوردہ وخوار

تبصرہ: اس شعر کا ترجمہ انثری ترجمے سے بھی واضح ہے۔ یہ مترجم کی زبردست کامیابی ہے جو توضیح میں نثری مترجم پر سبقت لے گئے ہیں۔ دسرا ترجمہ گرچہ اچھا ہے، پر پیچیدگی سے خالی نہیں۔

(۵۳) إنَّ الرسول لنور یستضاء بہ.....الخ

ترجمہ ۱

ہے ایک نور بلاشک رسولؐ کی ہستی　　جہاں میں جس سے سبھی کر رہے ہیں کسب ضیا
خدا کی تیغوں میں سے ایک تیغِ ہندی ہے　　نیام سے جو چمکتی ہے اپنی ہو کے جدا

ترجمہ۲:

رسول نورِ الٰہی ہے روشنی اقرار
برہنہ تیغ یمانی ہے قاتل کفار

تبصرہ: ترجمہ۱ موسیقیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ رعایت لفظ سے بھی مالا مال ہے جب کہ ترجمہ۲ کا مفہوم اس قدر واضح نہیں ہے نیز اس میں ''مہند'' کا ترجمہ ''تیغ یمانی'' کیا گیا ہے۔ جب کہ پہلے ترجمے میں ''تیغ ہندی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵۴) **فی فتیة من قریش قال قائلهم.....الخ**

ترجمہ۱:

رسولؐ ماہِ ہدایت، قریش تھے ہالہ
ہوئی سعادتِ اسلام جب نصیب انہیں
کہا تھا ان میں سے یہ ایک کہنے والے نے
کہ مکہ چھوڑ کے ہجرت سوے مدینہ کریں

ترجمہ۲:

وہ اس گروہِ قریش سے تھے کہ دیں کے لئے
جنہوں نے ریاست کیا وطن سے کنار

تبصرہ: پہلے ترجمے کے جملہ اشعار واضح ہیں جب کہ ترجمہ۲ کا دوسرا مصرعہ بالکل غیر واضح ہے۔

(۵۵) **زالوا فما زال انکاس ولا کشف.....الخ**

ترجمہ۱:

تو شہر مکہ سے وہ ٹل گئے، مگر نہ ٹلا
کوئی بھی ان میں کا کفار کے مقابل سے
وہ چاہے کیسا ہی کمزور اور نہتا ہو
رہا ہے معرکہ آرا ہجوم باطل سے

ترجمہ۲:

ٹلے وطن سے وہ لیکن ٹلے نہ معرکہ سے
اگرچہ انمیں تھے بعضے ضعیف بے ہتھیار

تبصرہ: دونوں ترجمے مفہوم کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ دونوں مترجمین کی

کامیابی ہے کہ انہوں نے اپنے تراجم میں قصیدے کے زیر بحث ابیات کا ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا ہے جس کا انہوں نے ترجمہ نہ کیا ہو۔

(۵۶) شم العرانین أبطال لبوسهم.....الخ

ترجمہ:۱

بلند و بالا ہیں وہ اونچی ناک والے ہیں — نہیں جواب زمانے میں جن کی جرأت کا
ہیں گویا پیرہن جنگ ان کا وہ زرہیں — کہ جن کو حضرت داؤدؑ نے بنایا تھا

ترجمہ:۲

بلند بنی ہیں وہ پہلوان کہ جن کے زرہ
عمل سے حضرت داؤدؑ کے ہوئے تیار

تبصرہ: دونوں مترجمین نے قصیدے کے ان اشعار کو لفظی رعایت سے مالا مال کیا ہے۔ یہ ترجمے نثری ترجمے پر بھی فوقیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان کا نثری ترجمہ بھی اس قدر واضح نہیں ہے۔

(۵۷) بِیضٌ سوابغ قد شُکَّتْ لها حَلَقٌ.....الخ

ترجمہ:۱

وہ صاف زرہیں کہ ہیں رنگ جن کے تیز سفید — جو اپنی خوبیِ صنعت سے ہیں درخشندہ
اوران میں حلقے بھی ہیں جس طرح کہ قفعا میں — ہر ایک حلقہ ہے اک دوسرے سے پیوستہ

ترجمہ:۲

سفید رہتی ہیں یوں اس کی تہ بتہ کڑئیں
کہ جیسے حلقۂ زلف بتاں میں پیچ ہزار

تبصرہ: ترجمہ۱ میں ترجمہ کے اصول نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بروئے کار لائے گئے ہیں، تاہم اس میں ''سوابغ'' کا ترجمہ ندارد ہے۔ ترجمہ۲ میں 'حلق القفعا'' کا ترجمہ ''حلقۂ زلف بتاں میں پیچ ہزار'' کیا گیا ہے جب کہ ''قعفاء'' ایک پودہ ہوتا ہے جس کی بیلیں باہم گتھی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۵۸) لا یفرحون إذا نالت رماحهم.....الخ

ترجمہ ا

وہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ فخر ہو نہ خوشی — جب ان کے نیزے کسی قوم پر برستے ہیں
ہو ان پہ وار تو فریاد بھی نہیں کرتے — کہ مرگ وزیست کے ختم ان پہ سب سلیقے ہیں

ترجمہ ۲

نہیں ہے انکو خوشی گو کہ ماریں سو نیزہ
نہ زخمی ہونے سے غم کے ہیں ان کے گرد آثار

تبصرہ: ترجمہ ا کی موسیقیت بہت خوب ہے نیز غنائیت سے بھی یہ اشعار بھرپور ہیں، گرچہ آخری مصرعہ زائد ہے، تاہم یہ تکمیلہ پہلے تین مصرعوں کا اور ترجمہ ۲ میں تفہیم کی کوشش ملتی ہے۔ ''سو نیزہ'' بامحاورہ ترجمہ ہے۔

(۵۹) یمشون مشی الجمال الزُّھر.....الخ

ترجمہ ا

سفید اونٹوں کی مانند چلتے ہیں وہ لوگ — اور ان کی ''ضرب'' حفاظت کا کام کرتی ہے
فرار کرتے ہیں ان کے مقابلے سے جب — وہ جن کے چھوٹے ہیں قد اور شکل کالی ہے

ترجمہ ۲

چلے ہیں جوں شترمست اور سپر انکے
وہ تیغ تیز ہے بھاگیں ہیں جس گھڑی کفار

تبصرہ: ترجمہ ا بہت خوب ہے اس کا دوسرا مصرعہ اور ان کی ''ضرب'' حفاظت کا کام کرتی ہے، لاجواب ہے۔ چاروں مصرعے رعایت لفظی سے عبارت ہیں۔ مبالغہ آمیزی سے دور بھی ہیں، جبکہ ترجمہ ۲ میں ''السود التنابیل'' کا ترجمہ ندارد ہے۔

منظوم تراجم کی خصوصیات

زیر بحث قصیدے کے مترجمین کی اس کاوش کا محرک ان کا مذہبی جذبہ رہا ہے۔ برصغیر ہندوپاک میں رسول پاکؐ کی شان میں مدحت سرائی کی روایت بہت پرانی ہے۔ بے شمار وان گنت شعراء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ ادیبوں سے لے کر عام شاعروں تک یہی روایت پابندی کے ساتھ دہرائی جاتی رہی ہے اور چونکہ قصیدہ بانت سعاد مدحتِ رسول کے حوالے سے عالمی اور آفاقی شہرت کا حامل ہے، اس لئے برصغیر میں بھی اس کے منظوم ترجمے کی ایک توانا روایت ملتی ہے۔

قصیدہ کے اردو منظوم تراجم میں کچھ رباعی ہیئت کے حامل ہیں جبکہ دوبیتی اشعار بھی ترجمے کی زینت بنے ہیں۔ یہ ترجمے مختلف حیثیتوں سے جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں۔ فن، اسلوب اور بیان کے نقطۂ نظر سے اس ضمن میں درج ذیل خصوصیات قابل توجہ ہیں:

۱۔ منظوم تراجم میں الفاظ کی رعایت بہت کم کی گئی ہے، جب کہ ترجمے کی بنیادی خوبی یہ ہوتی ہے کہ مترجم نص سے زیادہ سے زیادہ قریب رہے۔

۲۔ کہیں کہیں بعض الفاظ کے ترجمے فوت ہو جاتے ہیں۔

۳۔ بعض الفاظ کے ترجمے کے فوت ہونے کے علاوہ زائد الفاظ بلکہ جملے بھی نظر آتے ہیں۔

۴۔ ترجمہ میں تفہیم کی غرض سے نثر کی صورت میں قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن چونکہ شعر میں ایسا کرنا ممکن نہیں اس لئے زائد الفاظ کے اضافے کئے گئے ہیں۔

۵۔ منظوم ترجمے میں پورا منظوم قصیدہ کسی ایک قافیہ اور وزن کا پابند نہیں ہے، لیکن ہر ایک رباعی کے اوزان وقوافی دوسرے سے مختلف ہیں۔

۶۔ صرف الفاظ کی رعایت ہی منظوم ترجموں میں مفقود نہیں ملتی بلکہ ترکیب کی رعایت بھی نہیں کی گئی ہے، موصوف صفت کا ترجمہ مضاف مضاف الیہ سے اور مضاف مضاف الیہ کی ترکیب پر مبنی اشعار کا ترجمہ موصوف صفت کا پیکر لئے ہوئے ہے، نیز اسی طرح فعل کا ترجمہ

اسم سے اوراسم کا ترجمہ فعل سے کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس شعر کو لیجئے۔

تجلو عوارض ذی ظلم إذا بتسمت
كأنه منهل بالراح معلول

اس کا یوں ترجمہ کیا ہے:

وہ جاں نواز تبسم ، وہ دل ربا دنداں
کرے بوقت تبسم جب آشکار انہیں
چمک ہو موتی سے بڑھ کر، ابھی ابھی جیسے
شرابِ ناب سے دھویا ہے بار بار انہیں

یہاں ''إذا بتسمت'' (جب وہ مسکراتی ہے) کو''بوقت تبسم'' کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یعنی فعل کا ترجمہ مضاف الیہ سے کیا گیا ہے، تاہم ایسا یا تو ضرورت شعری کی وجہ سے کیا گیا ہے یا حسن پیدا کرنے کی خاطر۔

۷۔ رباعی ہیئت والے ترجمے میں ترجمہ سے زیادہ تشریح کا رجحان غالب ہے، جو منظوم ترجمے کے تجزیے کے وقت زیر بحث آچکا ہے۔

قصیدہ بانت سعاد کے منثور و منظوم تراجم کا تقابلی مطالعہ

''تقابلی مطالعہ'' تحقیق و ریسرچ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ذریعہ زیر بحث موضوع کا نہایت ہی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔ علم و بصیرت اور دلائل کی روشنی میں حقائق کی نقاب کشائی کی جاتی ہے۔ کھرے اور کھوٹے کو عالمانہ انداز میں ایک دوسرے سے الگ کیا جاتا ہے۔ تقابلی مطالعہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے قصیدۂ بانت سعاد کے منظوم و منثور تراجم کا یہاں تقابلی مطالعہ کیا جارہا ہے جس سے ہم نہ صرف منظوم و منثور تراجم میں فرق و امتیاز کے پہلوؤں کی وضاحت کرسکیں گے بلکہ اسی کے ذریعہ قصیدے کے اردو تراجم کے حوالے سے بہت سے حقائق سے پردہ بھی اٹھاسکیں گے نیز اس کے ساتھ ان کی خوبیاں اور خصوصیات بھی واضح ہوسکیں گے۔

اس تقابلی مطالعے کے مقدماتی نقطے کے طور پر اس چیز کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ منظوم ترجمہ خواہ وہ نثر پر مبنی نص کا ہو یا نظم اور اشعار کا ہو، بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ نثر کا منظوم ترجمہ کسی حد تک آسان ہوتا ہے لیکن اشعار کا ترجمہ اشعار کی زبان میں کافی مشکل ہوتا ہے، چونکہ نثر میں تشریح و توضیح اور تفہیم کی پوری گنجائش ہوتی ہے، قوسین کا استعمال کرکے پیچیدہ سے پیچیدہ ترین عبارت کو حل کیا جاسکتا ہے اور اسی کی تفہیم کو ممکن بنایا جاسکتا ہے لیکن اشعار میں قوسین کا استعمال ناممکن ہے اس لئے بسا اوقات شعری ترجمہ ابہام کا شکار ہوجاتا ہے، اس طرح مختلف علامات ترمیم کا استعمال کرتے ہوئے نثری ترجمے کو مختصر اور جامع نیز معنی خیز بھی بنایا جاسکتا ہے پر اشعار میں کسی بھی علامت کا استعمال نہیں کیا جاسکتا جس سے اختصار و جامعیت پیدا کرنا مترجم کے لئے بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

اس قسم کی مشکلات زیر بحث قصیدے کے منثور و منظوم تراجم میں جابجا دیکھنے کو ملتے ہیں، جس کی طرف ان تراجم کا جائزہ لیتے وقت پچھلے صفحات میں جابجا اشارہ کیا گیا ہے بلکہ اس کی توضیح بھی کی گئی ہے۔

قصیدے کے منثور و منظوم تراجم میں فرق کا ایک نمایاں پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ منظوم تراجم میں ضروریاتِ شعری کی بنا پر کئی جگہوں پر الفاظ کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر ''ولیک'' کا استعمال جیسے الٰہی بخش کاندھلویؒ نے اپنے ترجمہ کے دو تین جگہوں پر کیا ہے لیکن منثور تراجم میں ایسا نہیں ہے۔

اسی طرح نثری تراجم کہیں کہیں آزاد ترجمے کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے الفاظ سے بہت دور چلے جاتے ہیں، پر منظوم ترجمے کو بھی اس سے مبرا نہیں کیا جاسکتا ہے، خاص طور سے ''رئیس نعمانی'' کا رباعی پر مبنی منظوم ترجمہ نے قافیے اور ردیف و اوزان کے فرق میں کئی ایک جگہوں پر الفاظ سے ناطہ توڑ لیا ہے، تاہم الٰہی بخش کاندھلویؒ کا ترجمہ اس خامی سے بالکل مبرا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ منظوم مترجمین کے سامنے مجبوریاں ہوتی ہیں۔ قافیہ، ردیف اور اوزان کی پابندی الفاظ کی بھرپور رعایت راہ میں حائل ہوجاتی ہے، چنانچہ منظوم تراجم کا تجزیہ کرتے وقت متعدد جگہوں پر اشارہ کیا گیا ہے کہ ان قصیدے کے الفاظ کی رعایت نہیں کی گی ہے۔

اس طرح منظوم تراجم میں بالخصوص رباعی کی ہیئت والے ترجمے میں ایسے اشعار کئی ایک جگہوں پر ہیں جو زائد ہیں اور عربی قصیدے میں موجود نہیں، دراصل یہ زیادتی منثور تراجم میں بھی ہے لیکن قوسین کے استعمال سے یہ زیادتی ختم نہیں ہوتی، مثال کے طور پر رباعی کی ہیئت والے ترجمے کے یہ اشعار: ۳۶ کے پہلے دو مصرعہ: ۳۷ کا تیسرا مصرعہ: ۳۰ کا آخری مصرعہ: ۱۶ کا پہلا مصرعہ: ۱۱ کے آخری دو مصرعہ: ۷ کا تیسرا مصرعہ وغیرہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

منثور ترجمہ میں اظہار و توضیح کی بھرپور صلاحیت ہوتی ہے پر منظوم تراجم میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی۔ منظوم مترجم بسا اوقات عروض کے قواعد کی پابندی میں اظہار و توضیح کی ذمہ داری پوری نہیں کرپاتا، تاہم کہیں کہیں ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ منظوم مترجمین نے منثور مترجمین سے کہیں زیادہ ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے اشعار کے ترجمے ہیں۔ اصل متن (شعر) اور اس کے منثور و منظوم ترجمے پیش کئے جارہے ہیں۔

زالوا فما زال انکاس ولا کُشُفٌ

عند اللقاء ولا ميل ومعازيل

منثور ترجمہ: یہ لوگ ہجرت کے لئے کوچ کر گئے، لیکن ان لوگوں نے ہجرت نہیں کی جو کمزور تھے، مقابلۂ دشمن کے وقت جن کے پاس ڈھال نہ تھی اور جن کے پاس تلواریں نہ تھیں، نہتے بے ہتھیار کے تھے۔(۱)

اس کا مفہوم انتہائی ناقص ہے، اس کی تفہیم سے قاصر رہنے کے بعد مترجم نے اس کا مطلب بھی بیان کیا ہے جو آزاد ہے اس میں الفاظ کے رعایت کی کوئی شرط و پابندی نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے ہجرت کی تو آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ سب بہادر، ڈھال سے آراستہ، تلوار بستہ تھے، بے ڈھال اور تلوار سے نہتے اور کمزور نہ تھے (۲) اس کے باوجود شاعر کی مراد واضح نہیں ہوتی، لیکن منظوم ترجموں میں بھرپور معانی پائے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

ترجمہ ۱

تو شہر مکہ سے وہ ٹل گئے، مگر نہ ٹلا
کوئی بھی ان میں کا کفار کے مقابل سے
وہ چاہے کیسا ہی کمزور اور نہتا ہو
رہا ہے معرکہ آرا ہجوم، باطل سے (۳)

ترجمہ ۲

ٹلے وطن سے ولیکن ٹلے نہ معرکہ سے
اگر انہیں تھے بعضے ضعیف بے ہتھیار (۴)

یہ دونوں منظوم نثری ترجمے سے کہیں زیادہ واضح ہیں بلکہ یہ واضح کرتے ہیں کہ ''ردائے رحمت'' کے مصنف اس شعر کی تہ تک پہنچ بھی نہیں پائے ہیں۔

مثال ۲ شعر:

شم العرانين أبطال لبؤسهم
من نسج داؤد فی الهيجا سرابيل

منثور ترجمہ: بڑی ناک والے، جنگ کے مرد میداں، معرکہ میں ان کا لباس حضرت داؤد کا ''خود'' اور ''زرہ'' ہے (۵)

منظوم ترجمہ:۱؎

بلند و بالا ہیں وہ اونچی ناک والے ہیں
نہیں جواب زمانے میں جن کی جرأت کا
ہیں گویا پیرہن جنگ ان کا وہ زرہیں
کہ جن کو حضرت داؤدؑ نے بنایا تھا

منظوم:۲؎

بلند بنی ہیں وہ پہلوان جن کے زرہ
عمل سے حضرت داؤد کے ہوئے تیار

ان دونوں منظوم راجم میں ''لبوسهم من نسج داؤد فی الهجا سرابیل'' کا ترجمہ منثور ترجمے سے واضح تر ہے۔ ''خود'' کا ترجمہ منظوم مترجم نے ادراجاً کر دیا ہے۔

تفہیم و توضیح میں کہیں کہیں فوقیت رکھنے کے باوجود منظوم ترجمے بعض مقامات پر ناقص بھی ہیں، عروض کی سخت پابندی تکمیل کی راہ میں حائل ہوگئی ہے۔ مثال کے طور پر قصیدے کا ۴۶ ویں شعر کا ترجمہ ہے:

لذاك أهيب عندی إذا اكلمه
وقيل إنك منسوب ومسئول

اس کا منظوم ترجمہ یوں ہوگا:

یہ اس لئے کہ ہوئی گفتگو جب آقاؐ سے
تو تھا بہت ہی میں ہیبت سے ان کی خوف زدہ
کہا گیا تھا کہ ہے کعب، تجھ پہ، وہ الزام
بجا ہے حال پہ تیرے اگر کریں گریہ (۶)

اس شعر میں ''مسئول'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، تاہم الٰہی بخش کاندھلویؒ نے پہلے بہت خوب ترجمہ کیا ہے، تاہم دوسرا مصرعہ بالکل عارضی ہے۔

مہیب تر ہے وہ مجھ پاس وقت گفت وشنود
کہا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کبار (۷)

یہ دونوں ترجمے ناقص ترجمانی کرتے ہیں:

کہیں کہیں منظوم ترجمے نے قافیے اور وزن کی خانہ پری کی وجہ سے تک بندی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ان سے قافیے اور ردیف اور وزن شعری کے سوا کوئی چیز برآمد نہیں ہوتی۔ موسیقیت اور غنائیت ندارد ہے۔ الٰہی بخش کاندھلویؒ کے ترجمے میں یہ چیز زیادہ ملتی ہے۔

کہیں کہیں منثور تراجم میں تضاد بھی ہے۔ مثال کے طور پر قصیدے کا پچیسواں شعر ہے:

تمر مثل عسیب النخل ذا خُصَل
فی غارز لم تخونه الأحالیل

اس کا الٰہی بخش کاندھلویؒ نے منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

تھنوں پہ پھیرتی ہے جوں شاخِ نخل پرچم دم
خیانت اس سے کسی نرنے کی ہو کیا تکرار (۸)

جبکہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے اس کا منثور ترجمہ یوں کیا ہے:

''وہ اپنی دم کو جو شاخ نخل (کھجور کی ٹہنی) کی مانند لانبی ہے اور جس پر بالوں کے گچھے ہیں، اپنے ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دوسدھ دینے میں کمی نہیں کی۔ (۹)

ان دونوں تراجم میں ''خیانت'' کے فاعل کے مابین تضاد ہے۔

منظوم ترجمہ میں ''نراونٹ'' کو اس کا فاعل قرار دیا گیا ہے، مترجم نے دور کی کوڑی لائی ہے، منثور ترجمہ میں ''تھن'' (اَحَالِیلُ) کو فاعل بنایا گیا ہے، جو کہ قاعدے کے عین مطابق ہے۔

اسی طرح کہیں کہیں دونوں کے ترجمے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔

جیسا کہ بیالسویں (۴۲) شعر میں ''ھداك'' کا ترجمہ ہے یہ شعر یوں ہے۔

مَهْلاً هَدَاكَ الَّذِی أَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْ
قُرْآنِ فِيهَا مَوَاعِيْظٌ وَتَفْصِيْلُ

منثور ترجمہ: ذرا ٹھہریے آپ کو وہ (اللہ تعالیٰ) ہدایت دے جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ دیا ہے اور وہ قرآن جس میں معاش و معاد کی تفصیل ہے۔

منظوم ترجمہ:

ترجمہ ۱:

رسولِ پاکؐ، عطا کیجئے مجھے مہلت
خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل
کہ جس سے آپ کو قرآن سی کتاب ملی
نصیحت اور بیانات جس کے ہیں کامل

ترجمہ ۲:

نہ جلدی کر کہ ہدایت کرے تجھے وہ خدا
کتاب جس نے تجھے دی بوعظ و پند ہزار

منثور ترجمہ نیز منظوم ترجمہ ۲ میں ''ھداک'' کا ترجمہ انشاء (دعا) کی شکل میں کیا گیا ہے جب کہ منظوم ترجمہ ۱ میں ''خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل'' کہہ کر جز کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

منثور و منظوم تراجم میں کہیں کہیں شدید قسم کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر قصیدے کا بیسواں شعر جس کے منثور و منظوم ترجمے یوں ہیں:

منثور ترجمہ: اس اونٹنی کی کھال (بہت چکنی اور سپاٹ ہونے کی وجہ سے) بحری کچھوے کی مانند ہے، اس کے جسم کے ان حصوں کو جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں، کلنی یا چچڑی اپنے قابو میں نہیں کرسکتی یا کمزور نہیں کرسکتی:

منظوم ترجمہ:

ہے سنگ پشت کی مانند اس کی پشت کی جلد

بہت ہے سخت، چمکدار اور بہت ہموار
کہ جس پر چچڑی چمٹنے میں کامیاب نہ ہو
اگرچہ بھوک سے چچڑی کو ہو نہ صبر و قرار (۱۰)

''مہزول'' کا تعلق منظوم ترجمہ میں خود چچڑی سے دکھایا گیا ہے اور اسے اس کی صفت و کیفیت قرار دیا گیا ہے، جب کہ منثور ترجمہ میں اونٹنی سے اس کا تعلق دکھائی دیتا ہے، اس طرح دونوں تراجم میں تضاد کی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔

یہ نکات قصیدے کے منثور و منظوم تراجم کے تجزیے کی راہوں کا نہ صرف تعین کرتے ہیں، بلکہ اس کی راہیں ہموار بھی ہوتی ہیں، اس سے تنقیدی مطالعے کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔

حواشی

(۱) ردائے رحمت، عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

(۲) ردائے رحمت، عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

(۳) چراغِ نوا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ، الفرقان بکڈ پو، نظر آباد لکھنؤ،/ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

(۴) شرح قصیدۂ بردہ، الٰہی بخش کاندھلوی،

(۵) ردائے رحمت، عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

(۶) چراغِ نوا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ، الفرقان بکڈ پو، نظر آباد لکھنؤ،/ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

(۷) شرح قصیدۂ بردہ، الٰہی بخش کاندھلوی،

(۸) شرح قصیدۂ بردہ، الٰہی بخش کاندھلوی،

(۹) ردائے رحمت، عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

(۱۰) چراغِ نوا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ، الفرقان بکڈ پو، نظر آباد لکھنؤ،/ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

کتابیات

الٰہی بخش کاندھلوی: شرح قصیدۂ بردہ

احمد حسن زیات: تاریخ الادب العربی، کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

ابوالفرج اصفہانی: الاغانی، مطبوعہ، دارالکتب، بیروت، 1970

ابن رشیق قیروانی: عمدۃ، مطبوعہ سوم، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان

ابوہلال عسکری: الصاعتین، مطبوعہ، مصر، 1320ھ

الماس انجم: قصیدہ بردہ شریف، اور اس کی شرح
(ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور، مقالہ برائے۔ ایم فل)

جمیل جالبی: تاریخ ادب اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

ذوالفقار علی دیوبندی: عطرۃ الوردۃ فی شرح بردہ، مکتبہ مجتبائی، دہلی، 1329ھ

حسن الدین احمد (مرتب) ساز مغرب، (اردو آہنگ میں)
ولا اکیڈمی، حیدرآبادی، 1978

رئیس نعمانی: چراغِ نوا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ،
الفرقان بکڈ پو، نظر آباد، لکھنؤ/ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

رضوان معین: اردو پر عربی لسانی اثرات، حیدرآباد، باراول، 1991

شوقی ضیف: تاریخ الادب العربی، دارالمعارف، قاہرہ، مصر، 1119ھ

شمس کمال انجم: جدید عربی ادب، الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر، نئی دہلی، 2005

عبداللہ عباس ندوی: ردائے رحمت، مکتبہ فردوس، مکارم نگر، اسکائی پرنٹرس، لکھنؤ، 1989

عبدالحلیم ندوی: عربی ادب کی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عبدالعزیز بن محمد الفیصل: الادب العربی وتاریخہ، (العصر الجاہلی وعصر صدر الاسلام

والعصر الاموی) الجامعۃ الاسلامیۃ، مکتبۃ الملک فہد، 1420ھ

عبدالحق: اردو میں نثری تراجم: ایک تعارف، اگست، ایوان اردو دہلی، 2006ء

علی جندی: فی تاریخ الادب الجاہلی، دار المعارف، مصر (ب، ت)

فصیح الدین دہلوی: معین المترجم، مکتبہ وحیدیہ دہلوی، باراول، ستمبر 2000ء

قمر رئیس: ترجمہ کا فن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، جامع مسجد دہلی، 1976ء

مجیب الاسلام: دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات، مجیب الاسلام، 44 کیا بیان اسٹریٹ، دہلی

یحیٰ جبوری: الاسلام والشعر، مطبع، الارشاد، بغداد، 1936ء

نعت ایک اہم صنف ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تو حضرت ابوطالب نے کیا بعد میں اصحاب رسولؓ نے بھی نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا جس کی توثیق خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ نعت گوئی کی روایت عہد صحابہ سے موجودہ عہد تک مسلسل قائم ہے صرف تمام مسلم شعراء نے ہی نہیں بہت سے غیر مسلم شعراء نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات کا منظوم تذکرہ کر کے اپنے فن کو اعتبار بخشا۔

شعرا کی فہرست میں بہت سے ایسے نام بھی ہیں جن کی شناخت اور شہرت کی وجہ صرف اور صرف مدحتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰؓ اور عاشقِ رسول حضرت امام بوصیریؒ کی عزت واحترام اور شہرت دوام کا باعث بھی صرف مدحت پیمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ ان دونوں کے قصائد نعت، قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ومقبول ہیں کیوں کہ یہ دونوں قصیدے مقبول بارگاہِ رسالت ہیں اور دونوں پر ممدوح کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے شاعر کو بردہ (چادر) عطا فرمائی۔ اوّل الذکر واقعہ بیداری میں پیش آیا تو ثانی الذکر خواب میں، لیکن اس کی وجہ سے دونوں قصیدے امت میں بہت مقبول ہوئے۔

جناب سعود عالم صاحب قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے پہلا قصیدہ بردہ جسے عام طور سے قصیدہ بانت سعاد کہا جاتا ہے اس کو قصیدہ کعب بن زہیر بھی کہا جاتا ہے کے اردو منثور ومنظوم تراجم کا تنقیدی جائزہ لے کر محققینِ فن نعت کی صف میں اپنی جگہ بنائی۔ موجودہ عہد میں نعتیہ ادب پر باضابطہ علمی، فنی اور تنقیدی وتجزیاتی کام کا آغاز ہوا ہے۔ جناب موصوف کا یہ گراں قدر کام بھی اسی سلسلے کو آگے بڑھاتا ہے۔ وہ ہماری طرف سے اور تمام نعت پسندوں کی طرف سے تحسین وآفرین کے مستحق ہیں۔

اختر الواسع

پروفیسر اختر الواسع

ڈائریکٹر: ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

وائس چیئرمین: اردو اکادمی، دہلی

Qasida-e-Burda Ke Urdu Tarajim : Tehqeeq Wa Tajzia
(Banat Suaad Ke Hawale Se)

by: Saud Alam

arshia publications

arshiapublicationspvt@gmail.com

ISBN 93-81029-74-1

9789381029749

A for Arshia Publications

A Decade of Excellence 2004-2013